فکر و نظر.......... اسلام آباد جلد: ۴۴ شمارہ: ۲

میثاقِ مدینہ-فقہی مطالعہ

شاہ معین الدین ہاشمی☆

رسول اکرمﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو وہاں کا حال یہ تھا کہ اس میں مختلف رنگ و نسل اور مختلف مذاہب کے لوگ بستے تھے مثلاً: اوس و خزرج کے بارہ قبائل، مدینہ کے تقریباً بیس یہودی قبائل(۱) مسلمان مہاجرین جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ اوس، خزرج میں باہم نسلوں سے لڑائی جھگڑے چلے آ رہے تھے جبکہ یہود کے بعض قبائل اوس اور بعض خزرج کے حلیف بنے ہوئے تھے اور جنگوں میں ان کا ساتھ دیتے تھے۔(۲) مدینہ کے باسی ان طویل لڑائیوں سے تنگ آ چکے تھے اور امن و آشتی کے خواہاں تھے۔(۳) اگرچہ ہجرت سے قبل ہی رسول اللہﷺ نے مدینہ میں مرکزیت پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور بارہ نقباء کا تقرر فرمایا تھا مگر پھر بھی مدینہ میں ہر قبیلے کا الگ راج تھا۔ ہر قبیلہ اپنے سقیفہ میں ہی اپنے امور طے کیا کرتا تھا۔ کوئی مرکزی شہری نظام نہ تھا۔ اگرچہ مبلغین اسلام کی کوششوں سے تین سال کے اندر شہر میں بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے مگر مذہب ابھی تک خانگی ادارہ ہی تھا اس کی سیاسی حیثیت وہاں کچھ نہ تھی اور ایک ہی گھر میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے تھے۔ رسول اللہﷺ کے سامنے ان حالات میں اس وقت متعدد فوری ضرورتیں یہ تھیں۔

۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔
۲۔ مہاجرین مکہ کی آبادکاری۔
۳۔ شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ
۴۔ شہر کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام
۵۔ قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی و مالی نقصانات کا بدلہ۔

ان اغراض کو مدنظر رکھتے ہوئے رسول اللہﷺ نے ہجرت کر کے مدینہ آنے کے چند مہینے بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی جو کہ وہاں کے باسیوں کا دستور العمل قرار پایا اور میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہوا اس کی حیثیت اگرچہ ایک آئینی حکم نامے (Constitutional Charter) کی سی ہے مگر چونکہ آئین ایک طرح کا عہد نامہ ہوتا ہے جو ایک طرف حکومت اور دوسری طرف افراد کے حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے بنا بریں اس کو معاہدہ بھی کہا جا سکتا ہے۔(۳۔الف)

☆ لیکچرار شعبہ حدیث و سیرت کلیہ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

میثاق مدینہ کا متن:

اس دستاویز کا متن الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ مختلف کتب حدیث و سیرت میں ملتا ہے۔ قدیم ترین سیرت نگار ابن اسحاق نے اس دستاویز کا مکمل متن نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام ابو عبید نے ایک دوسری سند کے ساتھ بھی اس کا متن نقل کیا۔ مؤرخین اور سیرت نگاروں میں ابن سعد' بلاذری' طبری' زرقانی' ابن کثیر وغیرہ نے بھی اس کے متن کے حصے نقل کئے ہیں۔ کتب حدیث میں بخاری و مسلم کے علاوہ مسند احمد' سنن دارمی' سنن ابی داؤد میں بھی اس میثاق کو ذکر کیا گیا ہے۔

اس دستاویز کے دو نمایاں حصے ہیں:

حصہ اول، دفعہ نمبر ایک تا تیئس پر مشتمل ہے۔حصہ دوم دفعہ نمبر چوبیس تا دفعہ نمبر باون پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں مہاجرین و انصار کے متعلق جبکہ دوسرے حصے میں بقیہ یہودی قبائل وغیرہ کے حقوق و فرائض بیان کئے گئے ہیں۔

مؤرخین کے مطابق یہ دستاویز اھ کی ابتدا میں مرتب ہوئی۔(۴) لیکن بعض دیگر مستند ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ دستور کا وہ حصہ جو عرب مسلمانوں' مہاجرین و انصار سے متعلق تھا وہ ہجرت مدینہ کے بعد اھ میں مرتب ہوا اور دوسرا حصہ جو یہود سے متعلق تھا وہ ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد مرتب ہوا اور پہلے حصہ کے ساتھ شامل کیا گیا۔ مثلاً اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن منظور نے لسان العرب میں جہاں بھی اس دستاویز کا ذکر کیا ہے وہاں اس کو دو نام دیئے ہیں۔ ایک جملے میں اسے ''فی کتابه للمهاجرین و الانصار''(مہاجرین اور انصار کا دستور العمل) اور اس سے ذرا نیچے حصہ دوم کے لیے ''ووقع فی کتاب رسول الله ﷺ لیهود''، ''یہود کے لیے دستور العمل'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔(۵) اس سلسلہ میں ایک اور اہم شہادت امام ابو داؤد کی ہے۔ کتاب السنن میں انہوں نے اس دستور کو جنگ بدر کے بعد کا قرار دیا ہے۔(۶) درایتی اعتبار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً دستور کی دفعہ نمبر ۱۶ کی دفعات ۲۴ تا ۴۷ کے ساتھ مطابقت اس کے بغیر مشکل ہے کہ دفعہ ۱۶ قدیم تر ہو کیونکہ اس میں گنجائش رکھی گئی ہے کہ یہودی منظور کریں تو آئندہ انہیں بھی اس شہری مملکت میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ جب انہوں نے شرکت قبول کی تو پھر دفعات ۲۴ تا ۴۷ مرتب ہوئیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دستور کا دوسرا حصہ یعنی یہودیوں کا دستور العمل جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے جبکہ ایک زبردست فتح سے مسلمانوں کی دھاک ہر طرف بیٹھ گئی تھی۔(۶-الف)

میثاقِ مدینہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ یہ ایک دستاویز ہے نبی اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کا قریش اور اہل یثرب میں سے ایمان اور اسلام لانے والوں اور ان لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔

۲۔ وہ دوسرے تمام لوگوں سے علیحدہ ایک وحدت (امت) ہیں۔

۳۔ قریش سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائیں گے تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔(۷)

۴۔ اور بنی عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسبِ سابق اپنے اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔(۸)

۵۔ اور بنی الحارث بن خزرج(۹) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے۔ اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۶۔ اور بنی ساعدہ(۱۰) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے۔ اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۷۔ بنو حشم(۱۱) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہو ں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۸۔ بنو النجار(۱۲) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہو ں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے، کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۹۔ اور بنی عمرو بن عوف(۱۳) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا

باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۰۔ اور بنی النبیت (۱۴) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۱۔ اور بنی الاوس (۱۵) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۲-الف۔ اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیئے بغیر چھوڑ نہ دیں گے کہ ہمدردی کے ساتھ اس کا فدیہ و دیت ادا نہ کریں۔(۱۶)

ب۔ اور یہ کہ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولا (معاہداتی بھائی) سے خود معاہدہ برادری نہیں پیدا کرے گا۔(۱۷)

۱۳۔ اور متقی ایمان والوں(۱۸) کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال(۱۹) بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ اور کوئی ایمان والا غیر مسلم کی خاطر کسی ایمان والے کو قتل نہیں کرے گا اور نہ کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔(۲۰)

۱۵۔ اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے ان (مسلمانوں میں) کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا(۲۱) اور (ساری دنیا کے) لوگوں کے مقابل ایمان والے باہم بھائی بھائی ہیں۔

۱۶۔ اور یہ کہ یہودیوں(۲۲) میں سے جو ہماری اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی۔ نہ ان پر ظلم کیا جائے گا اور نہ اس کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۱۷۔ اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہو گی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا، جب تک کہ (یہ صلح) ان سب کے لیے برابر اور یکساں نہ ہو۔(۲۳)

۱۸۔ اور ان تمام ٹکڑیوں کو جو ہمارے ہمراہ جنگ کریں اپنی اپنی باری پر چھٹی دلائی جائے گی۔(۲۴)

۱۹۔ اور ایمان والے باہم اس چیز کا انتقام(۲۵) لیں گے جو راہِ خدا میں بہایا گیا ہو۔

۲۰-(۔ اور بے شبہ متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

۲۰-ب۔ اور یہ کہ کوئی مشرک(۲۶) (غیر مسلم رعیت) قریش کی جان اور مال کو کوئی پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا۔

۲۱۔ اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اور جرم ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام ایمان والے اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوائے انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہو گی۔(۲۷)

۲۲۔ اور کسی ایسے ایمان والے کے لیے جو اس دستاویز کا پابند ہو اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو، یہ بات جائز نہ ہو گی کہ کسی قاتل(۲۸) کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن وہ اللہ کی لعنت اور غضب کا مستحق ہوگا اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ(۲۹) قبول نہ ہو گا۔

۲۳۔ اور یہ کہ جب کبھی تم میں کسی معاملے کے متعلق اختلا ف ہو تو اس میں اللہ اور محمد(۲۹)،(۳۰) سے رجوع کیا جائے گا۔

۲۴۔ اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ جنگی اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ (مسلمانوں کے ساتھ) مل کر جنگ کرتے رہیں۔(۳۱)

۲۵۔ اور بنی عوف کے یہودی، مؤمنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت(۳۲) تسلیم کئے جاتے ہیں۔ یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین، ان کے آزاد شدہ لوگ ہوں کہ اصل۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔(۳۳)

۲۶۔ اور بنی النجّار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۷۔ اور بنی الحارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۸۔ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۹۔ اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے ۲۰
یہودیوں کو۔

۳۰۔ اور بنی الاوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے ۲۱
یہودیوں کو۔

۳۱۔ اور بنی ثعلبہ(۳۴) کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

۳۲۔ اور جفنہ(۳۵) کو بھی، جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۳۔ اور بنی الشطیبہ(۳۶) کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو اور وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔(۳۷)

۳۴۔ اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۵۔ اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں(۳۸) کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۶-ا۔ اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر (جنگ کے لیے) نہیں نکلے گا۔(۳۹)

۳۶-ب۔ اور کسی ضرب، زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی اور جو خونریزی کرے تو اس کی ذات اور اس کا گھرانہ ذمہ دار ہو گا۔(۴۰) ورنہ ظلم ہو گا اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس (دستور العمل) کی زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔

۳۷-ا۔ اور یہودیوں پر ان کے خرچے کا بار ہو گا اور مسلمانوں پر ان کے خرچے کا(۴۱) اور جو کوئی اس دستور کے ماننے والوں سے جنگ کرے تو ان (شرکاء معاہدہ) میں باہم امداد عمل میں آئے گی(۴۲) اور انہیں باہمی مشاورت سے کام لینا ہوگا اور وفا شعاری ہو گی نہ کہ عہد شکنی۔

۳۷-ب۔ کوئی شخص اپنے حلیف کی بد اعمالیوں کا ذمہ دار نہیں ہو گا اور مظلوم کی مدد لازم ہو گی۔

۳۸۔ اور یہودی اس وقت تک مؤمنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ جنگ جاری رہے گی۔

۳۹۔ اور یثرب کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہو) اس دستور والوں کے لیے ایک حرم (مقدس اور محترم مقام) ہو گا۔(۴۳)

۴۰۔ پناہ گزیں سے وہی برتاؤ ہو گا جو اصل (پناہ دہندہ) کے ساتھ۔ نہ اس کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ خود وہ عہد شکنی کرے گا۔(۴۴)

۴۱۔ اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائیگی (یعنی پناہ دینے کا حق پناہ گزین کو نہیں)۔(۴۵)

۴۲۔ اور یہ کہ اس دستور والوں میں جو کوئی قتل یا جھگڑا رونما ہو جس سے فساد کا ڈر ہو تو اسے اللہ اور اللہ کے رسول محمد[صلی اللہ علیہ وسلم] سے رجوع کیا جائے گا(۴۶) اور اللہ اس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

۴۳۔ اور قریش اور ان کی مدد کرنے والوں کو امان نہیں دی جائے گی۔

۴۴۔ اور یہ کہ معاہدہ کرنے والے فریق، یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہوں گے۔

۴۵-(۔ ان (مسلمانوں) میں سے جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے (امن قائم کرنے) کے لیے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی ہی صلح کی دعوت دیں تو مؤمنین بھی اس دعوت کو قبول کریں گے سوائے اس صورت کے کہ وہ (حلیف) دین کی خاطر جنگ میں مشغول ہو۔(۴۷)

۴۵-ب۔ ہر گروہ کے حصے میں اسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔(۴۸)

۴۶۔ اور قبیلہ اوس کے یہودیوں کو، موالی ہوں کہ اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور والوں کو اور وہ (بنو اوس) بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔ اور وفا شعاری ہو گی نہ کہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا خود ہی بھرے گا۔ اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس دستور کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔(۴۹)

۴۷۔ یہ معاہدہ ظالم اور گنہگار کو تحفظ نہیں دے گا۔ جو (مدینہ سے) باہر نکل جائے وہ مامون رہے گا اور جو (مدینہ) میں ہو گا وہ بھی مامون ہو گا۔ لیکن جو ظلم و گناہ کا مرتکب ہو گا وہ مامون نہیں رہے گا اور اللہ بھی اس کا نگہبان ہے جو وفا شعاری اور احتیاط (سے تعمیل عہد) کرے۔ اور اللہ کا رسول محمد[صلی اللہ علیہ وسلم] بھی۔

فقہی مطالعہ:

مدینہ کی اسلامی ریاست میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، انصار مدینہ، مہاجرین مکہ اور اہل کتاب و مشرکین

مدینہ کے مابین قرار پانے والا معاہدہ، پہلا بین الاقوامی سیاسی معاہدہ اور دنیا کا اولین تحریری دستور ہے۔ بنیادی طور پر اس وثیقہ کے دو پہلو ہیں:

۱۔ ریاست اور رعیت (مختلف قومیتوں) کے مابین تعلقات اور داخلی نظم ونسق

۲۔ بیرونی دنیا سے اسلامی ریاست کے تعلقات۔

عصر جدید میں پہلے نوع کے احکام کو القانون الدولی الخاص (Private International Law) اور دوسری نوع کے احکام کو القانون الدولی العام (Public International Law) کہا گیا ہے۔(۵۰)

ذیل میں میثاق مدینہ کی روشنی میں ان دونوں اقسام سے متعلق مسائل پر فقہی اور قانونی انداز کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ اس ضمن میں فقہ اسلامی کے متعدد پہلوؤں مثلاً فقہ المعاملات (فقہ مالی، فقہ تجارتی) ، فقہ العقود (اسلام کا قانون معاہدہ) فقہ التعامل الاجتماعی (معاشرتی سطح پر میل جول کے اسلامی احکام)، فقہ الجنایات، فقہ دستوری، الاحکام السلطانیہ، فقہ المرافعۃ (پروسیجرل لاء) اور الفقہ الدولی یا اسلامی قانون بین الممالک سے متعلق احکام زیر بحث آئیں گے۔

چونکہ میثاق کی تقسیم دفعہ وار ہے لہذا ہم ان دفعات کو اپنے (مذکورہ) عناوین کا پابند نہیں کریں گے بلکہ دفعات کے تحت متعلقہ مسائل ذکر کریں گے، تاکہ میثاق کی دفعات کی پیروی میں ہی اس کے احکام پر بحث کی جا سکے۔ دوسری وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ بسا اوقات میثاق کی ایک ہی دفعہ متعدد ابواب کی فقہ پر مشتمل ہوتی ہے لہذا مضامین کی پیروی کرتے ہوئے اس کی تجزی کرنے سے اس کی شکل متاثر ہونے کا امکان ہے۔

میثاق مدینہ کی روشنی میں اختیارِ اعلیٰ:

نبویؐ حکومت جو دراصل الٰہی حکومت ہوتی ہے، میں حتمی فیصلہ اور اختیار اعلیٰ کا تعلق انسانوں سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مدینہ کی اسلامی ریاست میں اختیار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر تھا۔ چونکہ پیغمبر اس کے لیے براہ راست نمائندہ الٰہی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے احکام کی پیروی الٰہی احکام کی پیروی کہلاتی ہے۔(۵۱)

اس اعتبار سے ریاست مدینہ میں اقتدار و اختیار کا سر چشمہ ذات نبوی تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں مرکزی حکومت کی باگ ڈور تھی۔ آپ کے اختیارات مرکزی اور صوابدیدی تھے جو آپؐ صوبائی اور مقامی حکام کو منتقل فرماتے تھے۔

میثاق کی پہلی شق کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے بحیثیت حکمران اہل اسلام اور غیر مسلم اقلیتوں، نیز حلیف ریاستوں کے مابین معاہدہ مدینہ تشکیل دیا۔ میثاق مدینہ کی دو دفعات (دفعہ نمبر ۲۳ اور ۴۲) کی رو سے ریاست کے تینوں ستونوں عدلیہ (Jodiciary)' مقننہ (Legeslative) اور انتظامیہ (Executive) کے ذمہ دار اور سر براہ نبی اکرم ﷺ تھے۔ آپ کی شخصیت، جدید ریاست کے حاکم وقائد اور سیاسی وحدت کے تمام طبقات کے باہمی اختلاف میں فیصل کی تھی۔

دستور کی شق نمبر ۲۳ میں اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

"وأنكم مهما اختلفتم فيه من شئ فإن مرده إلى الله و إلى محمد (ﷺ)"

یہ دفعہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ یہ سیاسی امت کسی بھی اختلاف کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کو آخری اتھارٹی تسلیم کرے گی۔ قرآن کریم کی بیشتر آیات نبی اکرم ﷺ کی اطاعت مطلقہ پر دلالت کرتی ہیں۔ تاہم تکنیکی اعتبار سے نبوی اختیار اعلیٰ کوئی آمرانہ حکومت کے طور پر نہ تھا کیونکہ آپ ﷺ مختلف قسم کے معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے تھے۔ نیز خود آپ ﷺ نے قانون کی عملداری کو بنیادی اصول کے طور پر قائم فرمایا بایں طور کہ اپنے آپ کو بھی قانون سے بالاتر تصور نہیں فرمایا اور خود اپنی ذات کے خلاف بھی شکایات سنیں بلکہ اپنے معاملات بھی ثالثی کے لیے تیسرے فریق کے سپرد فرمائے۔(۵۲)

اسلامی ریاست میں حکمرانوں کے اختیارات کی تحدید کو فقہاء نے ایک فقہی قاعدہ کلیہ کے طور پر یوں بیان کیا ہے:

"تصرف الامام على الرعيّة منوط بالمصلحة"(۵۲.الف)

مصلحت کی حدود و قیود کے تعین میں بنیادی چیز یہ ہے کہ شریعت کے اوامر و نواہی متأثر نہ ہوں۔ جصاص نے آیت کریمہ ﴿ولا يعصينك فى معروف﴾ کے تحت لکھا ہے۔

هو عموم فى جميع طاعة الله لانها كلها معروف ...... وقد علم الله ان نبيه لا يأمر الا بالمعروف إلا أنه شرط فى النهى فى عصيانه ...... لئلا يترخص احد فى طاعة السلاطين اذا لم تكن طاعة الله تعالىٰ اذكان الله قد شرط فى طاعة افضل البشر فعل المعروف وهو فى معنى قوله صلى الله عليه وسلم لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق"(۵۳)

آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعات کی تمام صورتوں کے لیے عموم ہے کیوں کہ اطاعت کی تمام صورتیں معروف کہلاتی ہیں۔ اللہ کو معلوم تھا کہ اس کا نبی کبھی معروف کے سوا کسی چیز

کا حکم نہیں دیتا پھر بھی اس نے اپنے نبی کی نافرمانی سے منع کرتے ہوئے معروف کی شرط لگا دی تا کہ کوئی شخص کبھی اس امر کی گنجائش نہ نکال سکے کہ ایسی حالت میں بھی سلاطین کی اطاعت کی جائے جب کہ ان کا حکم اللہ کی اطاعت میں نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو افضل البشرﷺ کی اطاعت میں بھی معروف کی شرط لگائی ہے۔

نبی اکرمﷺ کا ارشاد ہے:

''لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق(۵۴)

''اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں''۔

رسول اکرمﷺ اسلامی ریاست میں ہونے والے تمام نزاعات میں بھی حکم کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے نزاعات کے فیصلوں میں وحی کے مطابق عدل و انصاف کو فروغ دیا۔

جدید ریاست اور امت کے سیاسی مفہوم کے اعتبار سے عدالت و قضاء کے حوالہ سے یہ امر انتہائی اہمیت رکھتا تھا کہ وہاں امن و امان کی صورت حال بہتر بنائی جائے اور مختلف رنگ ونسل اور عقیدہ کے حامل طبقات میں تقارب و استحکام پیدا کیا جائے۔(۵۵) اس بنیادی ضرورت کا تحقق صرف اس صورت میں ممکن تھا کہ ایک ایسا نظام ہو جو معاشرے کے مختلف طبقات اور مختلف مذاہب کے پیروؤں کے مابین عدل و انصاف، رواداری اور مساوات کے ساتھ فیصلے کرے جدید اسلامی ریاست میں قرآن کریم کے دیے ہوئے عادلانہ اصولوں کی پیروی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل﴾(۵۶)

''اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو''

سورۃ المائدہ میں ارشاد باری ہے:

﴿لا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی﴾(۵۷)

''کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے''۔

سورۃ النحل میں ہیں:

﴿إن اللہ یامر بالعدل والإحسان﴾(۵۸)

''اللہ تعالیٰ عدل اور بھلائی کا حکم دیتا ہے''

سورۃ الانعام میں ارشاد ہے:

﴿وإذا قُلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربیٰ﴾ (۵۹)

''اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو''

مذکورہ قرآنی آیات میں مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ غیر جانبدارانہ اور شفاف فیصلوں کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس تناظر میں رسول اللہ ﷺ کو امن و امان اور باہمی اختلافات کی ضرورت میں تحکیمی اختیارات عطا کئے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فإن تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الیٰ اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الأخر ط ذلك خيرٌ وّ أحسن تأويلاً﴾ (٦٠)

''پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے''۔

دستور کی دفعہ ۴۲ کے مطابق اہل معاہدہ کے مابین پیدا ہونے والے اختلافات میں آپ ﷺ کا فیصلہ حتمی تھا۔ دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''وأنه ماكان بين أهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فإنّ مردّه إلى الله و إلى محمد رسول الله ﷺ''

آپ نے امن و اختلاف ہر دو صورتوں میں مختلف طبقات میں محبت، رواداری اور تالیف قلوب سے کام لیا۔ ریاست کے تمام طبقات نے آپ ﷺ کی عدالتی بالادستی کو تسلیم کیا، یہودیوں نے بھی اسلامی ریاست کے شہریوں کی حیثیت سے تمام اہل مدینہ (جن میں وہ خود بھی شامل تھے) پر آپ ﷺ کی اتھارٹی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے خصومات میں آپ ﷺ کو حکم بنایا۔(٦١)

مدینہ میں ہونے والے تمام عسکری معاملات میں بھی صوابدیدی اختیارات نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے۔ میثاق کی دفعہ ۳٦ کے الفاظ اس کا تعین کرتے ہیں:

''و أنه لا يخرج منهم أحد إلا بإذن محمد'' (٦٢)

اس شق نے تمام قبائل کے لیے نبی اکرم ﷺ (حاکم ریاست) کی اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر نکل کر مستقلاً عسکری / فوجی سرگرمیوں (جاسوسی، باہر بسنے والے قبائل کے ساتھ جنگی مساہمت) اور اقتصادی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی۔(٦٣)

اُمت کا مفہوم-میثاق مدینہ کی روشنی میں:

عربی زبان میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ان سب مفاہیم کو جمع کرنے سے درج ذیل آٹھ انواع بنتی ہیں:

(ا) الرجل الأمة، الأوحد فی معناه الذی لا یداخله فیه أحد قال النبیﷺ یبعث زید بن عمروبن نفیل أمة وحده. (۶۴)

یعنی عربی زبان میں الرجل الأمة اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن ہو، نبی اکرمﷺ نے زید بن عمرو بن نفیل کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص اپنی ذات میں ایک انجمن ہے یعنی وہ اپنی دینی جامعیت میں منفرد ہے۔

۲۔ جماعت اور گروہ:

جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وجد علیه أمةً من الناس یسقون﴾(۶۵)

''یعنی (حضرت موسیٰ) نے پانی (کی جگہ پر) لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے''۔

(ولکل امة رّسول) (۶۶) ''ہر امت کے لیے ایک رسول ہے''

۳۔ انبیاء کرام کے پیروکار:

جیسے کہا جائے: ''نحن من أمة محمد'' یعنی ہم محمدﷺ کے (دین کے) پیرو ہیں۔

۴۔ دین و ملت:

جیسے کہ ارشاد باری ہے: ﴿إنا وجدنآ آباء نا علی أمة﴾(۶۷)

''ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک دین پر پایا ہے''۔

۵۔ نیک، متقی جس کی پیروی کی جائے:

''إن ابرٰهیم کان امة قانتا لله حنیفا'' (۶۸)

''بے شک ابراہیم پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور مخلص تھے''

۶۔ زمانہ (مدت):

نے سے

مثلاً قید خانہ میں یوسفؑ کے ساتھ رہنے والا وہ شخص جس نے رہائی پائی تھی، حضرت یوسفؑ کا پیغام بادشاہ تک پہنچانا بھول گیا۔

﴿وادّکر بعد اُمة﴾ (۶۹) ''اسے ایک زمانہ (مدت) کے بعد یاد آ گیا''

نیز ارشاد باری ہے:

﴿ولئِن اخّرنا عنهم العذاب إلى أمة معدودة﴾(۷۰)

''اور اگر ہم ان کے عذاب گنی چنی مدت تک کے لیے پیچھے ڈال دیں''

۷۔ قدوقامت:

مثلاً کہاجاتا ہے: ''فلان حسن الأمة'' ''فلاں خوبصورت قد والا آدمی ہے''۔

۸۔ ماں:

کہا جاتا ہے ''هذه أمة فلان'' (۷۱) ''یہ فلاں کی ماں ہے''۔

لفظ امت کا اصلاحی مفہوم:

امت افراد کے اس مجموعے کا نام ہے جنہیں مادی و معنوی دائرے آپس میں مربوط کرتے ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گذارنے پر رغبت دلاتے ہوں۔(۷۲)

میثاق مدینہ میں اُمت:

میثاق مدینہ سے امت کی دو بنیادیں سامنے آتی ہیں:

(۱) فکر وعقیدہ کی بنیاد (۲) اجتماع و سیاست کی بنیاد

فکر وعقیدہ کی بنیاد:

میثاق مدینہ کی دفعہ نمبر ۲ ''انهم امة واحدة من دون الناس'' کے مطابق تمام مسلمان ایک اُمت ہیں۔ یہ وہ امت ہے جو فکر وعقیدہ کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے لونی، عرقی، لغوی اور خونی اساس کی بنیاد پر قائم نہیں ہوئی۔

فکر و عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی امت اپنی حیثیت کے اعتبار سے انتہائی وسعت رکھتی

ہے۔ جس میں تعصب اور جاہلی غیرت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ میثاق مدینہ نے اوس و خزرج کے مابین قدیم کشمکش کا خاتمہ کیا۔ وثیقہ کی بعض دفعات اس بات پر نص ہیں کہ مؤمنین چاہے وہ اہل مکہ میں سے ہوں یا یثرب والے ہوں ایک ہی سوسائٹی تشکیل دیں گے جو ایک عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہو گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إن هذه أُمّتكم امةً واحدةً وأنا ربّكم فاعبدُون﴾(۷۳)

''یہ تمہاری اُمت ہے جو در حقیقت ایک ہی اُمت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو''

اُمت کا سیاسی مفہوم:

اُمت کا سابقہ مفہوم بر بناء عقیدہ ہے، سیاسی مفہوم کے اعتبار سے اُمت کا مفہوم وہ ہے جس کی وضاحت میثاق کی دوسری شق کرتی ہے کہ معاہدہ کے تحت آنے والے تمام طبقات ایک اُمت ہیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم دنیا کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار ایک مختلف العقائد اور مختلف الأعراق اُمت تشکیل دی گئی، جو در اصل ایک غیر متجزّی سیاسی یونٹ تھا جس سے عرب کے متشتت قبائل ایک اجتماعی زندگی کے مرافق سے بہرہ ور ہو سکے۔(۷۴) اس اُمت کے افراد، مؤمنین (مہاجرین و انصار وغیرہ) اَعراب، منافقین، مؤلفۃ القلوب اور یہود سارے ہی تھے۔ اس میثاق میں اُمت کا مفہوم صرف عقدی یا دینی ہی نہیں بلکہ سیاسی اور عمرانی بھی ہے۔ جس کی وضاحت دستور کی پہلی دفعہ کے الفاظ : ''و من تبعهم فلحق بهم وجاهد معهم'' سے ہوتی ہے۔ اسی طرح سولہویں دفعہ کے الفاظ: ''انه من تبعنا من يهودِ فأن له النصر والأسوّة'' نیز میثاق کی دفعہ نمبر ۲۵ میں بنو عوف اور دیگر یہود کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ ''امة مع المؤمنين'' ہیں۔

اس تناظر میں میثاقِ مدینہ عصرِ حاضر کے بین الاقوامی معاہدات میں مختلف اقوام و ملل کے مابین قرار پانے والے اتفاقات کے لیے اساس کی حیثیت رکھتا ہے جو اگرچہ ایک دینی سوسائٹی ہے مگر اپنی وسعت کے اعتبار سے یثرب میں موجود تمام مختلف عقائد رکھنے والے طبقات کو اُمت کا نام دیتا ہے۔ تاہم یہ اُمت ایک سیاسی اُمت ہے جس کی وضاحت دفعات نمبر ۲۵ سے ۳۵ سے ہوتا ہے جن کے مطابق حلیف یہودی قبائل مسلمانوں کے ساتھ ایک سیاسی اُمت ہیں، یہ کوئی اہم عقیدہ اُمت نہیں، اس کی وضاحت دفعہ نمبر ۲۵ کے الفاظ: ''لليهود دينُهم وللمسلمين دينُهم'' سے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے مدینہ کے یہ مختلف قبائل سیاسی طور پر ایک امت اور عقیدۃً الگ الگ امتیں تھے''۔(۷۵)

غیرمسلموں سے سیاسی و سماجی تعاون:

معاشرے میں معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، بد امنی کے خاتمہ اور امن و انصاف کے قیام کے لیے کام کرنا اسلامی ریاست کا شرعی فریضہ ہے۔ ان مقاصد کے قیام کے لیے معاشرے کے تمام طبقات کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے بعض اوقات غیرمسلموں کے ساتھ اتحاد اور ان کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور باہمی اشتراک سے کام کرنا پڑتا ہے۔ امت کے مذکورہ بالا سیاسی مفہوم سے اس کی واضح تائید ہوتی ہے۔ اس اصولی تعاون کے جواز کے بارے میں قرآن مجید کی کئی آیات سے واضح اشارات ملتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱. ﴿وتعاونوا علی البر والتقویٰ﴾(۷۶)

"نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو"۔

۲. ﴿قل یٰاھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و بینکم......الخ﴾(۷۷)

"آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے"۔

۳. ﴿ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان و ایتآیِٔ ذی القربیٰ و ینھیٰ عن الفحشآء و المنکر والبغی......الخ﴾(۷۸)

"اللہ تعالیٰ عدل کا بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اورظلم و زیادتی سے روکتا ہے"۔

۴. ﴿کنتم خیر امة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنھون عن المنکر......الخ﴾ (۷۹)

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو"۔

۵. ﴿لا خیر فی کثیر من نجوٰھم الا من أمر بصدقة أو معروف أو اصلاح بین الناس......الخ﴾(۸۰)

"ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں۔ ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے"۔

۶. ﴿و افعلوا الخیر لعلکم تفلحون﴾(۸۱)

''اور نیک کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

۷. ﴿لا ینھٰکُم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین﴾(۸۲)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

۸. ﴿فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ......الخ﴾(۸۳)

''جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو''۔

۹. ﴿و ان جنحوا للسلم فاجنح لھا و توکل علی اللّٰہ......الخ﴾(۸۴)

''اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ''۔

مندرجہ بالا قرآنی دلائل کے علاوہ سیرت طیبہ کے کئی نظائر سے اس سلسلہ میں واضح و بین راہنمائی ملتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اعلیٰ و ارفع مقاصد کے لیے غیر مسلموں کے ساتھ اتحاد و تعاون کرنا نہ صرف یہ کہ جائز امر ہے بلکہ مستحسن بھی ہے۔ سیرت میں اس کی اہم اور اولین مثال حلف الفضول کی ہے جس میں مختلف قبائل نے اس بات پر اتحاد کیا کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت میں ساتھ دیں گے، سیرت ابن ہشام میں ہے:

''فتعاقدوا و تعاھدوا علی ان لا یجد و بمکة مظلوماً من أھلھا وغیر ھم ممن دخلھا من سائر الناس الا قاموا معہ، و کانوا علی من ظلمہ حتی تردّ علیہ مظلمتہ.''(۸۵)

اس اتحاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لقد شھدت فی دار عبداللہ بن جدعان حلفا ما احب ان لی بہ حمر النعم ولو دعی بہ فی الاسلام لا جبت''(۸۶)

''میں عبداللہ بن جدعان کے مکان میں ایک ایسے حلف (حلف الفضول) میں موجود تھا جو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پیارا تھا اور اگر اسلام میں بھی کوئی ایسے عہد کی طرف بلائے تو میں قبول کر لوں گا''۔

رسول اللہ ﷺ کے سیاسی معاہدات سے بھی اس اتحاد کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ان معاہدات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جصاص لکھتے ہیں۔

"و قد کان النبی ﷺ عاھد حین قدم المدینة اصنافا من المشرکین منھم النضیر، و بنو قینقاع و قریظه و عاھد قبائل من المشرکین ثم کانت بینه و بین قریش ھدنة الحدیبیة الی ان نقضت قریش ذلك العھد بقتالھا خزاعة حلفاء النبی ﷺ "(۸۷)

"مدینہ تشریف لانے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مختلف انواع کے اہل شرک سے معاہدات فرمائے جن میں بنونضیر، بنوقریظہ، بنو قینقاع اور مشرکین کے بعض دوسرے قبائل تھے۔ پھر آپ کے اور قریش کے مابین حدیبیہ کی صلح بھی ہوئی، یہاں تک کہ قریش نے اس معاہدہ کو آنحضرت ﷺ کے حلیف قبیلہ خزاعہ سے جنگ کر کے توڑ دیا اور اس کی خلاف ورزی کی"۔

رسول اللہ ﷺ کے دیگر معاہدات مثلاً بنوضمرہ، بنو جہینہ، مزینہ، بنوخزاعہ علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کا معاہدہ نیز شاہان عرب کے ساتھ خط و کتابت وغیرہ، یہ تمام باتیں اس کا ثبوت ہیں کہ مصالح مسلمین کی خاطر غیر مسلموں سے سیاسی اتحاد کیا جا سکتا ہے۔

ان معاہدات میں دستور مدینہ نہایت اہم اور واضح ثبوت ہے۔ اس معاہدہ (دستور مدینہ) میں اس سیاسی اتحاد کے لیے ہی "امة مع المؤمنین" کے الفاظ استعمال کئے گئے۔(۸۸)

فقہاء اسلام میں متقدمین و متأخرین ہر دو طبقہ کے جمہور علماء اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مصلحت مسلمین کے تحت غیر مسلموں کے ساتھ سیاسی اتحاد کرنا جائز ہے۔(۸۹)

قبائل کے مابین باہمی کفالت پر مبنی نظام، میثاق مدینہ کی روشنی میں:

نبی اکرم ﷺ نے میثاق مدینہ کے ۳ سے ۱۱ تک کے دفعات میں قبیلہ واری کفالت کا بندوبست فرمایا۔ مہاجرین قلت تعداد کی بناء پر ایک وحدت تصور کیے گئے میثاق کی تیسری شق اس سے متعلق ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

"مہاجرین اپنے سابقہ دستور پر رہیں گے اور اپنے سابقہ نظام دیت کے مطابق اپنے خون بہا ادا کریں گے اور درست طریقہ سے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائیں گے تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو، اسی طرح انصار کے مختلف قبائل کا ذکر

ہے کہ وہ بھی اپنے سابقہ نظام پر قائم رہیں گے"۔ (۹۰)

اس طرزِ عمل سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر جاہلی عادات و تقالید دین اسلامی کے بنیادی اصولوں سے متعارض نہ ہوں (جیسا کہ مذکورہ نظام دیت، قیدیوں کی آزادی وغیرہ)، تو انہیں برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

۳ سے ۱۱ تک دفعات، قبیلہ کے افراد پر یہ لازم کرتی ہیں کہ اگر اس قبیلہ کے کسی شخص نے کسی کو خطاءً قتل کر دیا ہو تو وہ قبیلہ مقتول کی دیت ادا کرے گا۔ اس نظام کے تحت جہاں قاتل کی مددگار برادری کی طرف سے دیت کی ادائیگی مقتول اور اس کی برادری سے مصیبت کی تخفیف کا سامان ہے وہاں یہ نظام خطاکار جانی کے لیے بھی تخفیف اور مدد کا سبب ہے اور پوری برادری کی طرف سے یہ ادائیگی، جنایت کرنے والے اور دیگر اہل خاندان کے لیے تنبیہ بھی ہے تاکہ معصوم الدم انسانوں کی زندگیوں کے معاملہ میں تساہل نہ برتا جائے۔

قبائل میں جو عرف، شرعی نظام کے مخالف تھا، اس میں اصلاح کی گئی۔ جاہلیت میں بعض قبائل کے مابین دیت، افراد کے معاشرتی رتبہ کے اعتبار سے طے کی گئی تھی۔ چنانچہ کمتر افراد کی دیت معزز افراد کی دیت سے کمتر ہوتی تھی۔ میثاق نے اس جاہلی نظام کا خاتمہ فرمایا، میثاق کی تمام دفعات ۳ سے ۱۱ کے اختتام تک "بالمعروف والقسط بین المؤمنین" کے جملہ سے کیا گیا ہے۔ جس سے اس غیر منصفانہ نظام کا خاتمہ کیا گیا۔

ذیل میں میثاق مدینہ کی روشنی میں مدنی ریاست میں اجتماعی تکفل کے لیے کیے گئے انتظامات کا فقہی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ فدیہ

فدیہ سے متعلق دفعہ میں لکھا گیا ہے: "وکل طائفة تفدی عانیها بالمعروف والقسط بین المؤمنین" (۹۱)

اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو یا اس کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو نیکی و انصاف کے ساتھ فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

یہ شق میثاق مدینہ میں ۹ مرتبہ لائی گئی جس سے نوزائیدہ اسلامی حکومت میں عوامی مدد سے

اجتماعی تعاون و تکافل کے نظام کو فروغ دیا گیا۔ اس کے تحت مسلمانوں کے تمام قبائل اپنے قیدی کو چھڑانے کے لیے فدیہ دینے کے پابند تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مذکورہ ضابطہ کسی خاص طریقہ پر فدیہ کی قید سے آزاد (مطلق) ہے چنانچہ فدیہ کا کوئی سا طریقہ جیسے مال، دشمن قیدیوں کے بدلہ یامہارات (Experties) و خدمات (servises) کے بدلہ میں رہائی کی صورت وغیرہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔(۹۲)

مال کے بدلہ میں مسلمان قیدیوں کو آزادکرانا:

قیدیوں کو آزاد کرانے کے اس طریقے کو سیرت سے تائید حاصل ہے۔ غزوہ بنی مصطلق میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ مسلمانوں کی قیدی بن گئیں۔ وہ اُونٹوں کی ایک بڑی تعداد بطور فدیہ لے کر دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ابتداء میں نبی کریم ﷺ نے اس مال کو بطور فدیہ قبول فرما دیا تھا۔ لیکن جب حارث مسلمان ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان پر احسان کرتے ہوئے جویریہ ان کے حوالہ کر دیں۔ حضرت جویریہ نے اسلام قبول کرلیا اور نبی اکرم ﷺ کے عقد میں آ گئیں۔(۹۳)

نبی کریم ﷺ کا بطور فدیہ مال کو قبول کرنا خود مسلمان قیدیوں کے لیے بھی اس طریق سے رہائی کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔

فقہاء کرامؒ کے مابین اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان اسیروں کی رہائی کے لیے فدیہ کا یہ طریق اختیار کیا جائے تاہم اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑا جا سکتا ہے؟ اس ضمن میں امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت ممانعت کی منقول ہے تاہم ان سے دوسری روایت جس کو ابن ہمام نے ترجیح دی ہے اور جو صاحبین (ابوحنیفہ) کا مسلک بھی ہے نیز جمہور بھی اس کے قائل ہیں، کے مطابق مال لے کر بلکہ احساناً بھی کافر قیدیوں کو چھوڑا جا سکتا ہے۔(۹۴)

قیدیوں کے بدلے قیدیوں کی رہائی:

فقہی و دینی تراث میں مسلمان کا دم انتہائی محترم سمجھا گیا ہے۔ مسلمان کے دم کی حفاظت کے لیے جہاں مال دینا جائز ہے تو مسلمان قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ کا یہ طریقہ بھی درست ہے۔

فقہاء کرام میں سے امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ اس کے قائل ہیں کہ مسلمان قیدیوں کو بطور فدیہ لے کر کافر قیدیوں کو رہا کرنا جائز ہے کیونکہ اس سے مقصود مسلمانوں کو کافروں کی قید سے رہا کرنا ہے اور یہ کافر کو قتل کرنے، اس کو غلام بنانے یا جزیہ لینے سے بہتر ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے

اس سلسلہ میں دو روایات منقول ہیں ایک عدم جواز اور دوسری جواز سے متعلق ہے۔ امام ابن ہمامؒ نے ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے، جس میں آپ صاحبین اور امام شافعیؒ کے ہم نوا ہیں۔(۹۵)

سیرت طیبہ سے اس طریق کے جواز کے کئی نظائر ملتے ہیں۔

سریۂ عبداللہ بن جحش میں قریش کے دو قیدی اور اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگے قریش نے فدیہ دے کر انہیں چھڑانا چاہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم اس وقت تک ان لوگوں کو واپس نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے دو قیدیوں کو چھوڑ نہیں دو گے۔ اگر تم نے انہیں قتل کیا تو ہم تمہارے لوگو ں کو قتل کر دیں گے۔ اسی طرح قیدیوں کا قیدیوں کے ساتھ تبادلہ عمل میں آیا۔(۹۶)

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے دو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں بنی عقیل کے ایک فرد کو رہا فرمایا۔(۹۷)

مہارات و خدمات کے بدلہ میں اسیروں کی رہائی:

اس طریقہ کا ثبوت بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں بھی ملتا ہے۔ بدر کے قیدیوں کی مہارات (Experties) سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اور تعلیم یافتہ قیدیوں کو مسلمان بچوں کے تعلیم دینے کے بدلہ میں آزاد کیا گیا۔ چنانچہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ ''وهذا يدل على جواز الفداء بالعمل كما يجوز بالمال'' (۹۸) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مال کی طرح کام سکھانے کے عوض میں بھی قیدیوں کو آزاد کیا جا سکتا ہے''۔

۲۔ غارمین (قرض دار یا ضامن) کے قرضوں کی ادائیگی کا انتظام:

اجتماعی تکفل و تعاون کے حوالے سے میثاق مدینہ اسلامی ریاست کے جن اقدامات کا تذکرہ کرتا ہے ان میں سے ایک بہت اہم اقدام جو معاشی اعتبار سے کمزور افراد (بالخصوص جو قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوں، کثیرالعیال اور مفلوک الحال ہوں یا کسی شخص کی ضمانت دینے کے باعث تاوان گزار ہوں یا ایسے کنگال، جو ادائے دیت سے قاصر ہوں) کے ساتھ مالی تعاون ہے۔ میثاق مدینہ کی دفعہ ۱۲ اس سے متعلق ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

''و أن المومنين لا يتركون مفرحاً بينهم أن يعطوه بالمعروف فى فداء أوعقل''.

''اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے

تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو‘‘۔

عربی نص میں لفظ ’’مفرح‘‘ استعمال ہوا ہے۔ ابن ہشام کے مطابق اس سے مراد بہت زیادہ عیال دار اور قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا پریشان حال شخص ہے۔(۹۹)

بعض جگہوں پر مفرح کی بجائے مفرج کا لفظ ہے اس کے معنی بھی مفرح کے ہیں، البتہ جیم سے اس لفظ کے معنی اس مقتول کے بھی آتے ہیں جو دو بستیوں کے درمیان پایا جائے اور اس کا قاتل معلوم نہ کیا جا سکے(۱۰۰) ابن سعد کی رائے یہ ہے کہ مفرح سے مراد وہ ضرورت مند افراد ہیں جو معاشرہ میں رہتے ہوں مگر ان کا کوئی سرپرست نہ ہو۔(۱۰۱)

اسلامی ریاست نے اپنے ابتدائی دور میں جب کہ زکوٰۃ و غنائم اور دیگر محاصل موجود نہ تھے اور معاشی اعتبار سے ریاست اس بار گراں کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی کہ معاشرے کے کمزور طبقہ کی معاشی اور اقتصادی ریلیف کا انتظام کرے، اس تعاونی امر کو مختلف محلوں اور قبیلوں پر تقسیم کر کے آسان کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شہر کو محلّہ وار مجالس میں تقسیم کردیا اور ہر مجلس اپنے محلّہ کے افراد کی مدد کرنے کی پابند ہوئی۔ شق نمبر ۱۲۔ الف سے گزشتہ شقوں کی وضاحت کر دی گئی کہ اگر کوئی محلّہ وار مجلس اپنے کسی اہل محلّہ کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے قابل نہ ہو تو دیگر مسلم قبائل اور مجالس ان کے ساتھ مدد کرنے کی پابند ہوں گی۔(۱۰۲)

ایک جدید اسلامی مفکر نے اس عمل کو انسانیت کی عزت و سرفرازی کا کار خیر قرار دیا ہے۔ ان کے بقول:

> ’’اہل ایمان کی طرف سے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ میں شرکت ہو، خطاکار جانی کی جانب سے ادائیگی دیت میں تعاون ہو یا مفلوک الحال اور مقروض کی امداد، وہ انسانیت کی عزت و سرفرازی کے لیے اجتماعی تعاون کا کارِخیر سرانجام دیتے تھے، غلامی اور مظلومانہ موت کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے۔ کیونکہ جاہلیت میں وقت مقررہ میں قرض کی واپسی نہ ہونے پر قرض اس قدر بڑھ جاتا کہ مقروض قرض خواہ کا غلام بن جاتا اور اس کے لیے قرض دہندہ کے ہر امر و نہی کو بجالانا ضروری ہو جاتا تھا۔(۱۰۳)

اگر ’’الضمان الاجتماعی‘‘ سے مراد یہ ہے کہ اسلامی رفاہی مملکت مشکل حالات میں محتاجوں کو فوری امداد فراہم کرنے کی پابند ہو نیز ’’التکافل الاجتماعی‘‘ کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرے کے افراد کے مابین امداد باہمی کا باقاعدہ انتظام موجود ہو تو میثاق مدینہ کی دفعات(۳-۱۲) اس کی عملی تصویر ہیں

جن کے تحت قبیلہ کے افراد اپنے محتاج کی مدد کرنے، اپنے اسیروں کو چھڑانے اور قبیلہ میں موجود بے مایہ اور مقروض کی معاونت کے پابند تھے۔

میثاق مدینہ کے تحت عوامی سطح پر امداد باہمی کا مذکورہ نظام ریاست کے معاشی بوجھ میں کمی کرنے کی ایک بہترین نظیر ہے جسے عصر حاضر کی جدید ریاستیں بھی اختیار کرتی ہیں۔(۱۰۴)

۳۔ عاقلہ پر دیت کی ذمہ داری:

یہ بات مسلمہ ہے کہ کوئی بھی حکومتی مشینری تمام تر وسائل کے باوجود عوام کی عملی شرکت اور تعاون کے بغیر اپنے ترقیاتی کاموں میں کامیاب نہیں ہوسکتی نہ ہی جرائم کا خاتمہ عوامی تعاون کے بغیر ممکن ہوسکتا ہے۔

ریاست مدینہ میں جبکہ باقاعدہ خزانہ قائم نہ ہوا تھا اور نہ ہی بیت المال سے رفاعی امور کا تکفل ممکن تھا۔ میثاق کی دفعات ۳-۱۱ کے مطابق تمام بطون اس بات کے پابند تھے کہ وہ اپنی اپنی دیتیں ادا کریں گے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ''اور خون بہا (ضمان و دیت) کی ادائیگی کے لیے قدیم نظام کی توثیق و تشریح کی گئی کہ اگر کوئی شخص کسی رقمی ادائیگی کا مستوجب ہو تو اس کی مدد اس کے سب رشتہ دار کریں گے''۔(۱۰۵)

قتل خطاء میں دیت کا عاقلہ پر ایجاب متواتر احادیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ وثیقہ مدینہ کی یہ شق اس سلسلہ میں ایک مستقل دلیل ہے۔(۱۰۶)

عربوں میں اسلام سے پہلے دیت کا بوجھ مل جل کر برداشت کرنے کا رواج تھا بلکہ اسے مکارمِ اخلاق میں شمار کیا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت مکارم اخلاق کے اتمام کے لیے ہوئی تھی، بنا بریں اس رواجی فعل کو اس کے محاسن کی بناء پر برقرار رکھا گیا تھا۔

عاقلہ پر دیت کے محاسن بیان کرتے ہوئے جصاص لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ (یعنی عاقلہ پر دیت کی ذمہ داری کا طریق کار) ارشاد باری تعالی ﴿ولا تکسب کل نفس الا علیھا ولا تزر وازرۃ وزر اخری﴾(۱۰۷) ہر شخص اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہے اور کوئی کسی کے جرم کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، کے منافی ہے، اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ بھی ہے جس کے مطابق ''کوئی آدمی اپنے باپ اور بھائی کے جرم میں نہ پکڑا جائے گا(۱۰۸) تو یہ اعتراض

درست نہیں کیونکہ قاتل کے ساتھ ساتھ عاقلہ پر دیت واجب ہونا مجرم کے جرم کی بناء پر بایں معنی نہیں کہ انہیں بھی مجرم سمجھا جا رہا ہے۔ دیت تو قاتل پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن عاقلہ کو قاتل کے ساتھ مل کر دیت کا بوجھ اٹھانے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ وہ اسکا ہاتھ بٹا سکیں اور اس سے اظہار ہمدردی کر سکیں یہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالی نے اغنیاء کے اموال میں فقراء کے حقوق رکھے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ اغنیاء سے کوئی جرم یا گناہ سرزد ہوتا ہے جس کی پاداش میں یہ مالی بوجھ ان پر رکھا جاتا ہے۔

غرض یہ ہمدردی اور غم خواری کا جذبہ پیدا کرنے اور باہمی تعلقات بہتر بنانے کے لیے ترغیب دیے جانے والے امور میں سے ایک امر ہے جس کی کئی قابل قبول وجوہ ہیں:

(منجملہ ان کے یہ ہے) کہ باہمی تعاون اور ہاتھ بٹانے کے تصور کی بنیاد پر دی گئی ذمہ داری ہمارے اصحاب کی رائے میں ان لوگوں پر ڈالی گئی ہے جن کے ناموں کا سرکاری طور پر اندراج قاتل کے نام کے ساتھ اہل دیوان (یعنی وظائف کے دفتر) میں ہو گا، باقی رشتہ داروں پر یہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جنگ اور دفاع کے موقعہ پر ان لوگوں پر باہمی تعاون و حمایت ضروری تھا اسی طرح دیت کا بوجھ اٹھانے میں بھی یہ حکم رکھا گیا نیز اس سے قبائل کے مابین پہلے سے پیدا شدہ بغض و عداوت اور کینہ کا خاتمہ کیا گیا اور باہمی الفت و محبت اور بہتر تعلقات کو فروغ ملا۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص دوسرے پر لازم ہونے والی ذمہ داری اپنے سر لے تو اس سے دونوں کے مابین پائی جانے والی عداوت اور کینہ ختم ہو جائیں گے۔(۱۰۹)

۴۔ ولاء:

میثاق مدینہ کے مطابق کسی قوم کے ساتھ موالات رکھنے والے شخص کو ان کی اجازت کے بغیر کسی اور سے رشتۂ موالات قائم کرنے کی ممانعت کی گئی۔(۱۱۰)

موالات' عربی لفظ ''ولاء'' سے مشتق ہے۔ عربی زبان میں ملکیت' ولایت' نصرت' حمایت' سرپرستی اور نگرانی جیسے معنوں میں مشترک ہے۔(۱۱۱)

جصاص نے آیت کریمہ:

﴿ولكل جعلنا موالى مما ترك الوالدان والاقربون﴾(۱۱۲)

''ماں باپ یا قربت دار جو چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیے ہیں''۔

کے تحت عقد موالات پر تفصیل سے بحث قلمبند کی ہے۔

اس ضمن میں صحابہ و تابعین کے اقوال درج ذیل ہیں:

مولی سے مراد وہ شخص ہے جو کسی چیز کا سرپرست بن جائے غلام کو آزاد کر دینے والا آقا بھی مولی کہلاتاہے۔ اور اسے مولی النعمہ کہا جاتا ہے یعنی جس کی بدولت غلام کو نعمت آزادی میسر آ سکی ہے۔ آزاد شدہ غلام کو بھی مولی کہا جاتا ہے۔

حلیفی اور دوستی کے معاہدہ میں شریک حلیف کو بھی مولی کہا جاتا ہے۔ چچا زاد بھائی کو بوجہ قرابت، مدد و تعاون کرنے کی بناء پر بھی مولی کہا جاتا ہے۔ مددگار اور معاون کو بھی مولی کہتے ہیں اس کی نظیر ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ذلك بان الله مولى الذين أمنوا وان الكفرين لامولى لهم﴾(۱۱۳)

وہ اس لیے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالیٰ ہے اور اس لیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

زمانہ قبل از اسلام میں ولاء ایک مستقل ادارہ تھا جس کے تحت مختلف افراد و قبائل یا قبائل و قبائل کے مابین عقد موالات تشکیل پاتا تھا۔ ایک فرد دوسرے کے ساتھ موالات کی بیعت کرتا تھا کہ میرا خون تیرا خون ہے تو میرا وارث ہے اور میں تیرا وارث ہوں، میرے ساتھ جنگ کرنا تجھ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے اور تجھ سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔(۱۱۴) اس عہد و پیمان کے بعد اگر وہ شخص مر جاتا تو دوسرے کا وارث قرار پاتا۔

عہد و پیمان اور موالات کی بناء پر توریث کا یہ نظام اسلام کے ابتدائی دور میں باقی رہا ارشاد باری تعالی ہے:

﴿والذين عقدت ايمانكم فأتوهم نصيبهم﴾(۱۱۵)

وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہیں انہیں ان کا حصہ دو۔

ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں یہ نقل کیا گیا کہ کہ عقد موالات کی بناء پر ایک مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث ہوتا تھا۔ انصاری کے اپنے اقارب اس کے وارث نہ بنتے تھے۔ بعد ازاں اس کا ایک حصہ آیت کریمہ ﴿ولكل جعلنا موالى مما ترك الوالدان والاقربون﴾ (۱۱٦) کے نزول سے بایں طور منسوخ ہوا کہ وہ وارث تو نہ رہے البتہ ان کے حق میں ایک تہائی ترکہ میں وصیت کی

جانے لگی۔

بعدازاں ارشاد باری تعالیٰ:

﴿واولوا الارحام بعضهم اولی ببعض فی کتاب الله﴾(۱۱۷)

''اور رشتہ دار اللہ کے حکم سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں''

کی بنا پر ان کا استحقاق وراثت ختم کر دیا گیا اور رشتہ داروں کی موجودگی میں ان کی میراث منسوخ ہو گی۔ البتہ اقرباء کی عدم موجودگی میں یہ حکم باقی رہا۔(۱۱۸)

غرض موالات اور حلیفی، تمدن عرب میں ایک مستقل ادارہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ میثاق مدینہ نے اس ادارہ کو شرعی نظام کا پابند کیا چنانچہ دفعہ ۱۲ کی شق میں یہ بات کہی گئی کہ ''کوئی مومن کسی دوسرے کے مولی (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ حلیفی نہیں کرے گا۔

چنانچہ اس دفعہ سے لوگوں کو ایک دوسرے کے معاہداتی بھائی سے معاہدہ حلیفی سے روکا تھا۔ اس کی تائید آپ ﷺ کے اس ارشاد پاک سے ہوتی ہے:

(من تولّٰی قوما بغیر اذن موالیه، فعلیه لعنة الله والملائكة لا یقبل منه صرف ولاعدل).(۱۱۹)

جو اپنے آزاد کنندہ معاہداتی بھائی کی اجازت کے بغیر دوسرے سے عقد ولاء کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی لعنت ہے اس کی توبہ قبول ہوگی نہ فدیہ۔

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے ولاء کی خرید و فروخت اور اس کو ہبہ کردینے کی ممانعت بھی فرمائی ہے:

(عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ نهی عن بیع الولاء وعن هبته)(۱۲۰)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ولاء ایک منظم ادارہ کی شکل میں قدیم زمانہ سے عرب میں موجود تھا۔ بنا بریں یہ عقد حلیفی ہر دو فریق کے مابین بہت سے مصالح کا حامل ہوتا تھا۔ مولی اس عقد حلیفی کے تحت جہاں تمام قسم کی معاشی، معاشرتی اور سماجی سرگرمیوں میں شریک ہوتا اور ان کے ثمرات سے مستفید ہوتا تھا وہاں قبیلہ بھی اپنے موالی کی مہارات اور خدمات سے بہرہ مند ہوتا تھا۔

میثاق مدینہ نے عرب قبائل، بالخصوص اوس اور خزرج کو اس بات کا پابند کیا کہ ان میں سے کوئی دوسرے کے معاہداتی بھائیوں سے تعلقات قائم نہ کرسکے گا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقدام ان قبائل

کے مابین سابقہ جنگوں اور ناموافق حالات کی بنا پر ولاء کے معاہدات پر دیا گیا ہے، تاکہ ولاء کے معاہدات ان کے مابین سابقہ رنجشوں کو دوبارہ سے اُجاگر نہ کر دیں۔ نتیجتًا دیگر اجتماعی اور سیاسی مسائل پیدا ہوں۔

اس طرز کے معاہدات دراصل بہت سے حرام امور پر مشتمل ہوتے تھے مثلاً اس میں یہ شرط ہوتی کہ ہر جائز و ناجائز کام میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی میثاق نے ان معاہدوں کو باطل قرار دیا جن کی رو سے غیر کے مقابلہ میں حلیف اور رشتہ دار کی نصرت و امداد ضروری ہوتی تھی خواہ یہ حلیف ظالم ہوتا یا مظلوم، نیز پھر قبائل و بطون کے مابین قرار پانے والے یہ فردی معاہدات ولاء، اُمت کے اجتماعی ولاء کے تصور کے منافی ہے۔ جسے میثاق کی دفعہ نمبر ۱۵ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

(ان المؤمنین بعضهم موالی بعض دون الناس)(۱۲۱)

میثاق کی ان دونوں دفعات کو دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ دفعہ ۱۲ب کے لیے نئے معاہدات ولاء کو منع کرنے کے لیے لائی گئی ہے اور دفعہ ۱۵ کے الفاظ نے سارے مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کے ولی قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ تمام اہل ایمان دیگر تمام اقوام سے جدا آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿والمؤمنون والمؤمنٰت بعضهم اولیاء بعض﴾(۱۲۲)

''مومن مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون) دوست ہیں''

اس آیت کے تحت مومن کے لیے کسی غیر مسلم سے عقد موالات کرنا درست نہ تھا۔ سورۃ ال عمران میں ہے۔

﴿لایتخذ المؤمنون الکٰفرین اولیاء من دون المؤمنین﴾(۱۲۳)

مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

میثاق مدینہ نے جس حلفی کو برقرار رکھا وہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں ایک دوسرے پر لازم ہونے والے اس نظام دیت کی ادائیگی کے سلسلے میں تھا جو نصرت اور مدد کی بناء پر لازم ہوتا تھا۔

امام جصاص نے اس رائے کو ترجیح دی ہے:

جصاص لکھتے ہیں کہ ''اس صورت میں ان کا یہ تعاون قبیلہ واری کی بنیاد پر تعاون سے اہم تھا۔

چنانچہ جاہلیت میں اگر وہ اپنے دواوین (رجسٹرڈ ناموں) اور ''قبیلہ کے'' جھنڈوں کو باہمی تعاون و امداد کی بنیاد بناتے اب ان کی عدم موجودگی میں بھی ایک دوسرے سے تعاون و امداد کرتے تھے۔(۱۲۴)

جصاص کے مطابق اسلام نے جس حلیفی کو برقرار رکھا وہ باہمی تعاون و تناصر کی بنیاد پر حلیفی کا وہ عہد تھا جس کے مطابق قتل خطاء میں یا مفلوک الحال مقروض یا جانی کی طرف سے عاقلہ کے طور پر دیات کی ادائیگی کا عہد کیا جاتا تھا۔(۱۲۵)

میثاق مدینہ میں ہر قبیلہ یا گروہ پر اس کے افراد کے کیے ہوئے جرائم کی دیتوں اور تاوانوں کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی اسی بنیاد پر رکھی گئی تھی۔

مذکورہ بالا یہ نظام اس تعاونی بیمہ کی تائید بھی کرتا ہے جس کے ذریعہ ناگہانی نقصان اٹھانے والے افراد کی مدد کی جاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک فرد کے نقصان کو پوری برادری پر اس طرح پھیلا دیا جاتا ہے کہ ہر فرد ایک خفیف سی قربانی دے کر تمام لوگوں کے ناگہانی نقصانات کا ازالہ کر دیتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ اس طرح کا تعاون کرنا نیکی و بھلائی کے کام ہیں جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿و تعاونوا علی البر والتقوٰی و لا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾(۱۲۶)

''نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو''

بخاری شریف کی ایک روایت سے یتیم بچوں کی کفالت اور مرنے والوں کے نقصان کی تلافی کرنے کا اشارہ ملتا ہے، ارشاد نبوی ہے:

''عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ ''انا اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم فمن مات وترک مالاً فما لہ لموالی العصبۃ و من ترک کلا او ضیاعاً فانا ولیہ فلادعیٰ لہ''(۱۲۷)

''مسلمانوں پر ان کے نفوس سے زیادہ حق میرا ہے جو آدمی مال چھوڑ کر مر جائے وہ مال اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا اور جو آدمی نادار یتیم بچے اور نقصان چھوڑ کر مرا تو اس کا ولی میں ہوں اس کے لیے مجھ سے مطالبہ کیا جائے''۔

ان نقصانات کی تلافی اگرچہ اسلامی ریاست کے ذمہ ہے مگر ریاست کی سرپرستی میں اس نقصان کی تلافی کے لیے کچھ ادارے بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ عاقلہ پر دیت مقرر کرنے میں بھی یہی روح کارفرما ہے۔

جائے
تصور
بلا
''و
بط
بر
ج

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مبارکہ حسب ذیل ہیں۔

۱. عن المغيرة بن شعبة قال قال رسول الله ﷺ المرأة يعقلها عصبتها ويرثها بنوها(۱۲۸)

''عورت کی دیت اس کے عصبات ادا کریں گے اور اس کی اولاد اس کی وارث ہو گی''

۲. عن الشعبی قال: جعل رسول الله ﷺ عقل قريش على قريش و عقل الانصار على الانصار(۱۲۹)

''رسول اللہ ﷺ نے قریش کی دیت قریش پر مقرر کی اور انصار کی دیت انصار پر''

مذکورہ بالا تمام روایات میں ہر جگہ نقصان کے ازالہ کے لیے برادری کا تصور ملتا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی یہ برادری قبیلہ ہی ہو گا مگر بعض دیگر فقہاء بالخصوص مالکیہ کے نزدیک ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے حمایت اور نصرت ہونے لگے تو پھر قاتل کی عاقلہ اس کے ہم پیشہ لوگ ہو سکتے ہیں۔(۱۳۰)

میثاق مدینہ...... صلح وجنگ کے مسائل و احکام کا جائزہ

امن و امان کے مسائل اور احکام:

نبویؐ ریاست کے قیام سے قبل عرب سوسائٹی کو جن بہت بڑے بڑے مسائل کا سامنا تھا ان میں امن و امان کا فقدان سرفہرست تھا ہر قبیلہ کا اپنا ایک مستقل نظام تھا اور قبائلی تعصب اور حیثیت اس نظام کی جان۔ اس تعصب کی بنا پر تمام معاملات طے پاتے تھے ان کا شعار (انصر اخاك ظالماً او مظلوماً) ''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم'' کا جاہلی تصور تھا۔ جس کے نتیجہ میں مخالف سے جنگ اور بدلے میں اس کے ساتھ اس کے قبیلہ ونسل کو تباہ کرنا وغیرہ امور ان کے دلوں میں ایک مقدس فریضہ کا درجہ رکھتے تھے۔(۱۳۱)

مخالف شخص کے اہل و عیال اور قبیلہ امن و امان سے زندگی بسر کر سکیں اور ان سے صلح کی بات طے ہو سکے یہ بات ان کے لیے بہت بڑے عار و عیب کا درجہ رکھتی تھی۔ ان کا عقیدہ ''ھامۃ'' کا تھا کہ مقتول چاہے اس کے قتل کے اسباب کچھ بھی ہوں، کے سر سے نکلا ہوا ایک پرندہ اس کی قبر کے گرد چکر کاٹتا رہتا ہے اور برابر یہ صدا بلند کرتا ہے۔ (اسقونی اسقونی) مجھے (قاتل یا اس کے قبیلہ کے خون سے) سیراب کرو اور اس وقت تک یہ پکار ترک نہیں کرتا جب تک کہ خون کا بدلہ نہ لے لیا

جائے۔(۱۳۲)

اسلام نے ''ہامۃ'' اور اس طرح کی دیگر خرافات پر کاری ضرب لگائی اور اسے باطل جاہلی تصورات اور توہمات میں شمار کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہامۃ کا تصور درست نہیں ''لاھامۃ''(۱۳۳)

میثاق مدینہ نے بغاوت ظلم کے خلاف جنگ کا اعلان کیا، چاہے جس فریق کی طرف سے ہو اور بلا تفریق عقیدہ و مذہب مظلوم کی مدد کا اعلان کیا(۱۳۴) میثاق میں لکھا گیا کہ قتل کے مقابلہ میں ''قود'' ہے بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہوجائے۔(۱۳۵)

مدینہ میں ظالم، سرکش یا استحصال کرنے والے کے خلاف کڑی سزا کی دفعہ رکھی گئی جس میں بطور خاص یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر فرد اس بات کا پابند تھا کہ ہر ظالم اور باغی رشتہ داروں اور برادری بلکہ خونی تعلق سے بھی بے پرواہ ہو کر ظلم اور ظالم کے خلاف مقابلہ میں شرکت کرے گا۔ چنانچہ دفعہ ۱۳ کے الفاظ یہ ہیں:

> ''اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ پر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ساتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو''

میثاق کی دفعہ ۲۰ میں ملکی سلامتی کے دشمن قریش مکہ یا کسی بھی قاتل کو مدد یا پناہ دینے کو جرم قرار دیا گیا۔

دفعہ نمبر ۳۱ میں عہد شکنی کرنے والے سے امان ختم ہو جانے کا ذکر ہے۔

دفعہ ۳۸ میں ملکی سلامتی کے لیے تمام قبائل کو جنگی اخراجات میں شرکت کا پابند کیا گیا۔

دفعہ ۳۹ میں ملک کی داخلی سلامتی کے لیے مدینہ کو حرم قرار دیا گیا۔

دفعہ ۴۳ میں خارجی دشمن کو پناہ دینے کی ممانعت کی گئی۔

اس طریقہ پر یہ میثاق ملکی داخلی انتشار پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا، خارجی دشمن کی راہ روکی گئی اور قبیلہ کے متعصبانہ نظام کی بجائے اسلامی شریعت کا عادلانہ نظام رائج کیا گیا۔

ذیل میں ہم میثاق کی روشنی میں امن و امان خراب کرنے والے عوامل اور ان سے متعلق احکام کا جائزہ لیتے ہیں:۔

۱۔ بغاوت:

میثاق کی دفعہ نمبر۱۳ میں اس جرم کا ذکر کیا گیا ہے:

"و أن المؤمنين المتقين على من بغى منهم أو ابتغى دسيعة ظلم أوإثما او عدواناً أو فساداً بين المؤمنين و أن ايديهم عليه جميعاً ولو كان ولد أحدهم"(۱۳۶)

''اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اُٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اُٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو''۔

اس دفعہ میں ظلم و عدوان، فساد وغیرہ کے مترادفات استعمال ہوئے ہیں جو کہ در اصل بغی کی مزید وضاحت کر رہے ہیں۔

قرآن مجید میں بھی ''بغی'' انہیں مترادفات کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی سرکش(۱۳۷)، فساد،(۱۳۸) ظلم و زیادتی اور بدکاری(۱۳۹) وغیرہ۔ میثاق کی یہ دفعہ اہل میثاق کو ظلم و استغلال، بغاوت اور عدوان کا مقابلہ کرنے اور امن و امان برقرار رکھنے کے لیے تمام قبائلی اور خاندانی رشتوں سے بالاتر ہو کر متحد ہونے کی پابند کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دفعہ سے عرب میں رائج (انصر اخاك ظالما او مظلوما) ''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم'' کے جاہلی تصور کو پہلی بار درست مفہوم عطا کیا گیا۔ جس کے مطابق ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھا جائے۔(۱۴۰)

میثاق مدینہ کی اس دفعہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس دفعہ میں اہل ایمان کو مکمل اختیارات کے ساتھ یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ظالموں اور باغیوں کے خلاف کاروائی کریں گے۔ اسلامی ریاست کے ابتدائی دور میں پولیس کا کوئی باقاعدہ محکمہ موجود نہ تھا جو مجرموں کا پیچھا کرتا، چنانچہ تمام اہل ایمان کے خصوصی اختیارات سے ملک کے کونے کونے میں امن و امان بہتر بنانے اور ہر فتنہ و فساد کو جڑ سے اکھاڑنے میں مدد ملی۔ معاشرے کے امن کو برباد کرنے اور فتنہ و فساد نیز دہشت گردی پھیلانے والے ایسے افراد کے لیے قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ نہایت سختی سے نمٹا جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿انما جزؤا الذين يحاربون الله و رسوله و يسعون فى الارض فساداً ان يقتلوا أو

یصلبوآ او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض﴾(۱۴۱)

۲۔ قتل

یثاق مدینہ کی شق نمبر ۲۱ میں منقول ہے۔

''جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام اہل ایمان اس حکم کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہو گی''۔

قبائلی نظام میں قتل کا بدلہ قاتل کے ساتھ قبیلہ کے افراد اور دیگر اولیاء کا قتل ایک معمول کی بات تھی۔ اس شق نے قبائل کو پابند کیا کہ قاتل کے خلاف قتل یا خون بہا کے علاوہ کوئی اور چیز جائز نہ ہوگی۔(۱۴۲)

۳۔ مجرموں کی مدد کرنے اور انہیں پناہ دینے کی ممانعت:

یثاق کی دفعہ ۲۲ اور ۳۶ ب ان امور سے متعلق ہے۔ دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''اور کسی ایمان والے کے لیے جو اس یثاق کے مندرجات کا اقرار کر چکا تھا اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ہو۔ یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قاتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوں گے اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہ ہو گا''۔

دفعہ ۳۴ ب کے الفاظ یہ ہیں:

''اور کسی مار، زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی...... اور اللہ تعالی اس کے ساتھ ہے جو اس دستور العمل کی زیادہ سے زیادہ وفا شعاری سے تعمیل کرے''

جاہلی رواج کے مطابق بھائی بند ہونے کی بنیاد پر ظالم مجرم کی امداد کی جاتی اور انہیں پناہ دی جاتی تھی۔ اسلام نے ''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم'' کے جاہلی تصور کو درست مفہوم عطا کیا جس کے مطابق ''ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھا جائے''(۱۴۳) رسول اللہ ﷺ نے مدینہ (اسلامی ریاست) میں جرم کی اعانت اور مجرم کی پشت پناہی کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے اور ایسے کام کو اللہ کے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف بتایا ہے اور فرمایا کہ ایسے قانون شکن کی عبادت بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہو گی۔ حدیث شریف میں ہے:

(من حالت شفاعته دون حد من حدود الله فقد ضاد الله)(۱۴۴)

دوسری روایت میں ہے:

"من اعان علیٰ خصومة بظلم فقد باء بغضب من الله"(۱۴۵)

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(من احدث فیها حدثا او آوی محدثا فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین، لایقبل الله منه یوم القیامة صرفاً ولا عدلاً)(۱۴۶)

۴۔ برسر پیکار دشمن افراد کو پناہ دینا:

دعوتِ اسلام کے ساتھ ہی قریش نے تمام اہل ایمان کے خلاف ظلم و تعذیب کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ جب ظلم اس قدر بڑھ گیا کہ مسلمانوں کے لیے وہاں رہنا ممکن نہ رہا تو انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی۔ تاہم یہ ہجرت قریش مکہ کے لیے بڑا صدمہ ثابت ہوئی کیونکہ اس سے ان کی مذہبی اور اقتصادی زندگی کی بقاء کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا اور یہ سب کچھ ہجرت کے بعد ہونے والے بین المذاہب معاہدہ کی بناء پر ظاہر ہوا۔

میثاق نے یہ اعلان کیا کہ قریش، سب اہل مدینہ کے رسمی دشمن (حربی) ہوں گے۔ میثاق کے مطابق اتحاد میں شامل تمام اقوام کے لیے عموماً اور مشرکین مدینہ کے لیے خصوصاً اہل مکہ کے ساتھ کسی قسم کا تعاون روا نہ ہو گا۔ میثاق کی دفعہ ۲۰ ب کے مطابق "یثرب کے کسی مشرک کے لیے جائز نہیں کہ وہ قریش کی جان اور مال کو پناہ دے"۔

ابو عبید نے مشرک سے مراد وہ یہودی لیے ہیں جن کے ساتھ صلح کی گئی تھی اور مراد یہ ہے کہ یہود سے صلح کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اگرچہ خود تو مسلمانوں سے جنگ نہ کریں لیکن مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کریں یا ان کی جان و مال کو پناہ دیں۔(۱۴۷)

تاہم ابو عبید کی رائے سے اتفاق ممکن نہیں، کیونکہ عبارت کا متبادل معنی کے اعتبار سے اس سے مراد مدینہ میں بسنے والے اوس و خزرج کے مشرکین یا دوسرے مشرک بھی ہو سکتے ہیں۔ دفعہ میں ان کو بطور خاص اس بات کا پابند کرنا بھی قابل فہم ہے کہ ان کے مذہبی جذبات انہیں اہل مکہ کی امداد کرنے پر برانگیختہ کرسکتے تھے۔ بلکہ واقعاتی اعتبار سے اس کی تائید بایں طور پر ہوتی ہے کہ اہل مکہ نے مشرکین مدینہ پر اس معاملہ میں بطور خاص دباؤ ڈالا تھا۔ ابوداود کی روایت کے مطابق معرکہ بدر سے قبل کفار قریش نے ابن ابی اور اوس و خزرج کے مشرکین کو لکھا:

(انکم آویتم صاحبنا، وانا نقسم بالله لتقاتلنه او لتخرجنه او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی

نقتل مقاتلتکم و نستبیح نساء کم)(۱۴۸)

’’تم نے ہمارے آدمی کو ٹھکانہ دے دیا ہے، ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم اس سے لڑو یا نکال باہر کرو نہیں تو ہم سب مل کر تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور عورتوں کو مباح کر دیں گے‘‘۔

قریش کا مکتوب جب عبداللہ بن ابی اور مشرکین کو پہنچا تو وہ نبی اکرم ﷺ سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان سے یہ بات کی:

(لقد بلغ وعید قریش منکم المبالغ ما کانت تکیدکم باکثر مما تریدون ان تکید وا به انفسکم تریدون ان نقاتلوا ابناء کم و اخوانکم)(۱۴۹)

’’قریش نے تم کو حد درجہ دھمکایا ہے، قریش تم کو اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتے جتنا تم خود اپنے آپ کو ضرر پہنچا رہے ہو، وہ اس طرح کہ تم چاہتے ہو کہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو‘‘۔

اس پر حکمت نفسیاتی گفتگو سے جہاں بزدلی اور خوف کا طعنہ دیا گیا' وہاں ان کے وطنی اور عشائری جذبات پیدا کیے گئے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا نتیجہ تمہارے ہی بھائی بندوں کو تہہ تیغ کرنے کی صورت میں سامنے آئے گا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی جمعیت ٹوٹ گئی اور انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔(۱۵۰) اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین جس گروپ کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے' وہ مشرکین مدینہ تھے۔ رہے یہود تو وہ معاہدہ کی دفعہ ۴۳ کے عموم میں پہلے ہی سے داخل تھے جس کے مطابق قریش اور ان کے مددگاروں کو نہ صرف یہود بلکہ کوئی قبیلہ بھی امان نہیں دے سکتا تھا۔

کفار قریش کی یہ تدبیر ناکام ہوئی تو انہوں نے واقعہ بدر کے بعد یہود پر ڈورے ڈالنے شروع کیے، انہیں لکھا گیا:

(انکم اهل الحلقة والحصون، وانکم لتقاتلن صاحبنا او لنفعلن کذا کذا ولا یحول بیننا وبین خدم نسائکم شی ء. وهی الخلاخیل)(۱۵۱)

’’تم ہتھیار اور قلعوں کے مالک ہو، تم ہمارے بھاگے ہوئے آدمی سے ضرور لڑو وگرنہ ہم ایسی کی تیسی کر دیں گے یعنی تم کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں تک پہنچنے سے ہمیں کوئی نہیں روک سکے گا‘‘۔

غرض اس دفعہ کے تحت اہل اتحاد اس بات کے پابند تھے کہ قیادت اعلیٰ کے ماسوا کوئی شخص حربی دشمنوں کے جان و مال کو پناہ دے سکتا ہے نہ اس کے ساتھ حلیفی، امان یا تجارت کا کوئی معاملہ ہی کر سکتا ہے۔

۵۔ قریش سے معاہدہ جوار کی ممانعت:

عقد جوار جو حلیفی کی ایک شکل ہے، زمانہ جاہلیت میں عرب میں ایک مقدس عقد کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ جوار اور مجیر عربی زبان میں پنا ہ دینے والے کو کہتے ہیں۔(۱۵۲) قرآن کریم میں ہے:

﴿وھو یجیر ولایجار علیه﴾(۱۵۳)

یعنی اللہ تعالیٰ پناہ دینے والا ہے اور اس کی پناہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔

عرب معاشرہ میں اس کے مقدس ہونے کا سبب یہ تھا کہ یہ دراصل باہمی امداد کا ایک ایسا عقد تھا جو کمزور اور طاقتور قبائل کے مابین قرار پاتا تھا اور اس میں غیرت وحمیّت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ اس عقد کے تحت کوئی قبیلہ کسی جرم کے بعد کسی بڑے قبیلہ کے ساتھ عقد جوار کر لیتا تھا۔

مدنی ریاست کو اہل مکہ سے جو خطرات درپیش تھے ان کے پیش نظر یہ بات ممکن تھی کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر مدینہ کے مختلف قبائل کی پناہ میں آ جائیں گے اور خارجی دشمن کے ساتھ داخلی دشمنوں میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس خطر ہ کے پیش نظر میثاق نے اس عرف کو ختم کر دیا۔ دفعہ کی شق نمبر ۴۳ اور دفعہ ۲۰ کے مطابق کوئی قبیلہ قریش سے جوار کا معاہد ہ نہیں کر سکے گا۔

اہل حرب کے مقابلہ میں یہ اتحاد اس قدر مؤثر ثابت ہوا کہ جہاں باہر کا دشمن غارت گری کرنے کے بعد ریاست کے کسی قبیلہ کی پناہ میں نہیں آ سکتا تھا وہاں اقتصادی طور پر مسلمانوں کی طرف سے انہیں کمزور کرنے کے لیے ان کے تجارتی قافلوں سے تعرض کرنے پر کوئی قبیلہ مسلمانوں کے خلاف کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

٦۔ ریاست کا دفاع-مسلم و غیر مسلم رعایا کا اجتماعی فریضہ:

یثرب ایک زرخیز زرعی علاقہ تھا جس کے گرد بدوی قبائل اس تاک میں رہتے تھے کہ اس میں اندرونی انتشار یا جنگ یا دیگر مناسب مواقع کی بناء پر اس کے غلہ و مویشی اور دیگر اشیاء پر غارت گری کریں اگرچہ ایک طرف مدینہ میں داخلی انتشار کی بناء پر ان بدوی قبائل کی طرف سے ڈالی گئی غارتوں کا سلسلہ موقع بہ موقع جاری رہتا تھا تاہم دوسری جانب اہل مدینہ ان غارتگروں کا مقابلہ اپنے مضبوط قلعوں

اور ہتھیاروں سے کرتے تھے اور اپنی خیرات (غلہ و اناج) کی حفاظت کے لیے خاص مخازن بناتے تھے۔(۱۵۴)

نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ داخلی انتشار اور خارجی فتنوں کی لپیٹ میں تھا۔

میثاق مدینہ کی وساطت سے اس صورتحال پر کسی قدر قابو پایا جا سکا اور مدینہ مختلف عقائد اور ادیان کے پیروؤں کے لیے ایک ''پر امن وطن'' کا کام دینے لگا۔

میثاق نے ان تمام قبائل کو اس بات کا پابند کیا کہ ملک کے مرافق سے لطف اندوز ہونے والے تمام اہل وطن کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی خارجی غارت کے خلاف اپنے وطن کے دفاع میں شامل ہوں گے۔

میثاق کی دفعات ۲۴، ۳۷، ۳۸، ۴۴، ۴۵ اور ۴۵ب تمام اہل میثاق پر اس ذمہ داری کا تفصیلاً تعین کرتی ہیں۔

۷۔ مالی مساہمت:

میثاق کی دفعہ ۳۷ ب اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اگر اجتماعی فوج کے دو گروہ مسلمان اور یہودی جمع ہوں تو ہر گروہ اپنے اخراجات کا تکفل خود کرے گا، چنانچہ ہر گروہ اپنا اسلحہ خریدے گا اور فوج کی دیگر ضروریات (راشن وغیرہ) کا تکفل کرے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہود کی حب مال اور حرص کے پیش نظر دفعہ نمبر ۲۴ اور ۳۸ میں بھی اس کی بطور خاص وضاحت فرمائی کہ یہ دفاع ایک اجتماعی فریضہ ہے چنانچہ دونوں فوجوں کو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے اور یہودی فوجیوں کے خرچ کا بار مسلمان نہیں اٹھائیں گے، دفعہ ۳۷ کے الفاظ یہ ہیں:

''اور یہودیوں پر ان کے خرچے کا بار ہو گا اور مسلمانوں پر ان کے خرچے کا''

دفعہ ۳۸ میں ہے:

''اور یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ جنگ جاری رہے گی''۔

میثاق نے یہود پر، جو مدینہ کی اقتصاد پر پوری طرح قابض تھے اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ اشیاء کی قیمتیں وصول کرتے تھے۔ نیز سودی معاملات کے ذریعے دیگر طبقات کا معاشی استحصال کیا کرتے تھے، اسلامی عدل و مساوات کے تقاضوں کے پیش نظر کوئی اضافی بوجھ نہیں ڈالا بلکہ انہیں

مسلمانوں کی طرح صرف اپنے دفاعی اخراجات کا زیر بار کیا۔

۸۔ جانی مساہمت (اہل کفر سے جنگی اتحاد و معاہدہ)

میثاق کی مذکورہ دفعات کے تحت یہود اور دیگر اتحادی اپنی اپنی افرادی قوت کے ساتھ مدینہ کے دفاع میں شریک ہونے کے پابند تھے۔ دفعہ ۳۷ الف اور دفعہ نمبر ۴۴ کے مطابق معاہدہ کے فریق یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہوں گے۔ دفعہ ۴۵ ب کے مطابق: ہر گروہ کے حصے میں اس رخ کی مدافعت آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔

میثاق کی مذکورہ دفعات کے مطابق یہود دفاعی جنگ کے پابند تھے۔ دفعات اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ یہود پر میثاق کے تحت صرف دفاع وطن کو لازم کیا گیا۔ یہ بات واضح رہے کہ یہود اور اہل شرک کے ساتھ یہ اتحاد ایک سیاسی اور دفاعی نوعیت کا تھا اور اس میں یہود اور مشرکین کے شریک ہونے کی اہمیت ان کے لیے ان کی جان و مال اور تجارت و اقتصاد کے تحفظ کی ضمانت کے طور پر ظاہر ہوتی تھی۔ تاہم اس بحث کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ کیا یہود اور اہل شرک سے دفاع کے لیے جنگی اتحاد جائز ہے؟

اس مسئلہ کی ایک جزئی کتب فقہ میں استمداد بالکفار کے ضمن میں بیان کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ کی روایات بظاہر متعارض ہیں۔ جنگوں میں نبی اکرم ﷺ کا اہل کفر سے مدد لینے اور ان کی مدد لینے سے انکار کرنے، ہر دو طرح کے طرز عمل کا ثبوت موجود ہے۔(۱۵۵)

فقہاء کی آراء بھی اس سلسلہ میں مختلف ہیں تاہم بعض فقہاء نے ان متعارض مستدلات میں یوں تطبیق دی ہے کہ اہل کفر سے مدد لینے میں اسلام یا اہل اسلام کو کوئی ضرر نہ ہو تب ان سے جنگی مہارات کا تبادلہ ہو سکتا ہے، بصورت دیگر نہیں۔ بعض فقہاء نے اہل کفر کی جنگی مہارات لینے کو اس زمانہ کے ساتھ خاص کیا ہے جس وقت اہل اسلام کمزور ہوں اور انہیں اس کی ضرورت ہو، السیر الکبیر میں جنگ میں اہل کفر کی مدد لینے کو جائز نقل کیا گیا ہے۔(۱۵۶)

تاہم اس بحث کے مرکزی نکتہ (کہ اہل کفر کی بعض ریاستوں کے ساتھ بعض دوسری ریاستوں کے خلاف جنگی معاہدات کئے جا سکتے ہیں جس کے تحت باہمی مساہمت عمل میں آئے) کے بارے میں ابو عبید کی رائے یہ ہے کہ یہود اور دیگر حلیف اقوام کے ساتھ میثاق کی دفعہ ۲۴ سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ دفعہ کے الفاظ ہیں: ''مومنین جب تک جنگ میں مصروف رہیں گے جنگی اخراجات میں یہودی ان کے شریک رہیں گے''۔(۱۵۷) تائید میں انہوں نے زہری کی ایک مرسل روایت کا ذکر کیا ہے۔

"کان الیھود یغزون مع رسول اللہ ﷺ فیسھم لھم"(۱۵۸)

یہودی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے تو آپ ﷺ غنیمت میں انہیں شریک کرتے تھے۔

اس رائے کی تائید اور میثاق میں اس اختیار کا وجود اس کی پہلی دفعہ سے واضح ہوتا ہے جس کے مطابق یہ دستاویز مسلمانوں اور ان لوگوں کے مابین قرار پائی تھی جو ان کے ساتھ جنگ میں حصہ لیں۔

یہاں جنگی مساہمت عام ہے اور دفاعی جنگ کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دفعہ ۳۷ کے الفاظ اور جو کوئی اس دستور کے سامنے والوں سے جنگ کرے تو ان (شرکاء معاہدہ) میں باہم امداد عمل میں آئے گی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ کسی غیر مسلم ریاست سے دوسری غیر مسلم ریاستوں کے مقابلہ میں دفاعی اور جنگی دونوں طرح کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے تاہم اسلامی اصول عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب حریف (غیر مسلم ریاست) مظلوم ہو تو اس وقت ظالم حلیف کے ساتھ جنگی مساہمت جائز نہیں ہو گی۔

"شہریت"(Citizenship) میثاق مدینہ کی روشنی میں:

اسلامی ریاست کی رعایا میں مختلف ادیان کے پیروکار شامل تھے۔ ان میں مہاجرین و انصار بھی تھے۔ اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی تھے اور مشرکین مدینہ بھی۔ ریاست کا دستور اپنی رعیت کے تمام افراد کی حمایت کا راعی (نگہدار) تھا۔

اردو لفظ "رعایا" جو کہ حدیث میں تلفظ "رعیت" وارد ہے(۱۵۹) اپنے مفہوم و منطوق کے اعتبار سے انتہائی شامل و جامع لفظ ہے۔ عصری اصطلاح کے مطابق "شہری" یا "مواطن" کا لفظ ان مفاہیم میں اس کا مترادف ہے۔

شہریت، جدید مفہوم:

شہریت ایک ایسا قانونی نظام ہے جس کو ریاست وضع کرتی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے قوم کی حیثیت کا تعین ہو اور افراد کے ریاست کے ساتھ تعلق کی نوعیت واضح ہو۔(۱۶۰)

دائرہ معارف برطانیہ کے مطابق "مواطنة" ریاست اور شہری کے مابین اس تعلق کا نام ہے جسے اس ملک کا قانون متعین کرتا ہے اور جس کی بناء پر فرد و ریاست کے مابین حقوق و فرائض کا تعین

ہوتا ہے۔(۱۶۱)

''شہریت'' اگرچہ مواطنت ہی کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے تاہم اس میں بایں طور وسعت ہے کہ اس کے تحت بیرون ملک بسنے والا شہری کی نگہداشت و حمایت ریاست کے فرائض میں شامل ہوتے ہیں۔

شہریت، شرعی نقطہ نظر:

فقہاء کے ہاں اسلامی ریاست پر دار الاسلام کا اطلاق ہوتا ہے اور ریاست کے شہریوں پر اہل دارالاسلام کا۔ ریاست اور فرد کے درمیان تعلق ایک سیاسی اور قانونی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہی تعلق فرد و ریاست کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے(۱۶۲) اور یہی تعلق جدید زبان میں شہریت، جنسیت(Citizenship) کہلاتا ہے۔(۱۶۳)

دستور مدینہ کی روشنی میں شہریت:

دستور مدینہ کی روشنی میں شہریوں اور ریاست کے مابین تعلق کے جو اصول سامنے آتے ہیں وہ افراد ریاست کا سیاسی اور قانونی تعلق کے علاوہ جذباتی اور نفسیاتی پہلو بھی بہم رکھتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں رواداری اور باہمی تعاون کا نفسیاتی شعور اور باہمی مودّت و محبت اور اجتاعیت کے لطیف احساسات اس کے نظام شہریت کے امتیازات ہیں۔ میثاق کے تحت مختلف العقائد اور مختلف الأدیان اقوام، ایک اُمت تسلیم کیے جاتے ہیں، یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین، ان کے آزاد کردہ لوگ ہوں یا اصل۔ ہاں جوظلم اور عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔(۱۶۴)

میثاق مدینہ کے تحت اسلامی ریاست کا شہری ہونے کے لیے ''اسلام'' شرط نہیں۔ غیر مسلم بھی اسلامی ریاست کا شہری ہوسکتا ہے جبکہ وہ ریاست کے حقوق کی پاسداری کرے۔ اسی طرح امت کے عمومی تصور کے برخلاف دو امتیں یہود اور مسلمان ایک سیاسی امت بن سکتے ہیں۔(۱۶۵) میثاق مدینہ کی یہ دفعات انہیں ان تمام مرافقات کا اہل بناتی ہیں جن سے مسلم شہری استفادہ کرتے ہیں۔

ذیل میں ہم دستور مدینہ کی روشنی میں مسلم اور غیر مسلم افراد کے شہریوں کے امتیازات کا ذکر کرتے ہیں۔

مسلم شہری:

نومولود اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے لیے شہریوں کی شرط ہجرت ٹھہرائی گئی تھی۔ مدنی ریاست کے شہری کے لیے اس کی طرف مہاجر ہونا ضروری تھا تا کہ ان کے اسلامی ریاست کی شہریت کے ارکان، ایمان(۱۶۶) اورنظم اجتماعی کے لیے کیے جانے والے اسلامی نظام میں شریک ہوں۔ چنانچہ جن مسلمانوں نے اسلامی مملکت کی حدود سے باہر رہنا پسند کیا تو عہد ولایت نہ ہونے کی بناء پر انہیں ہم وطن شمار نہیں کیا گیا اگرچہ دینی معاملہ میں ان پر ظلم و استبداد کی صورت میں ان کی مدد ضروری قرار دی گئی۔ اس سلسلہ میں بنیاد سورۃ الانفال کی مندرجہ ذیل آیت تھی:

﴿إن الذين آمنوا وهاجروا وجٰهدوا بأموالهم وانفسهم فى سبيل الله والذين اوَوا وّنصروا اولٰٓئِكَ بعضهم اولياء بعض والذين امنوا ولم يهاجروا مالكم من وّلَايَتِهم من شيء حتى يهاجروا وإن استنصروكم فى الدين فعليكم النصر إلا على قوم بينكم وبينهم ميثاق والله بما تعملون بصير﴾(۱۶۷)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی، وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمہارے لیے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے، سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد وپیمان ہے، تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ خوب دیکھتا ہے''۔

آیت کریمہ میثاق مدینہ کی ان دفعات سے موافقت کرتی ہے جسے اللہ کے رسول نے ''قریش اور یثرب کے مومنین و مسلمین اور ان کے تابع ہونے والے لوگوں کے مابین'' طے کروایا ہے۔(۱۶۸) جس کے تحت مدینہ کی حدود سے باہر بسنے والے افراد سیاسی ولایت سے خارج تھے۔ البتہ آیت کریمہ کے دوسرے جزء سے اسلامی شریعت پر اخوت دینیہ کی بناء پر اپنے دینی معاملہ میں ظلم و اضطھاد کی صورت میں ان کی مدد لازمی قرار دیتا ہے۔(۱۶۹)

ابو عبید کے نزدیک مہاجرین یا اسلامی ریاست کے شہری باشندوں کو حقوق میں ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کے معاملات میں شریک رہتے ہیں، اپنی جانوں اور مالوں سے دین کی مدد کرتے ہیں یاخود اپنی رہائش سے اسلامی آبادی کو بڑھاتے ہیں۔ اسلامی قوانین کے نفاذ میں مددگار

ہوتے ہیں اور اسلامی شعائر کی بجاآوری کرتے ہیں لہذا ایسے لوگوں کو حقوق کی فراہمی میں ترجیح دی جائے گی۔(۱۷۰)

اسلامی ریاست میں مسلم شہریوں کی شہریت کی بنیاد قبائلی، لونی اور اورعرقی نہ تھی بلکہ عقیدۂ توحید کی بنیاد پر تھی۔ چنانچہ اس عقیدہ کوتسلیم کرنے والے تمام غیرمسلموں سے الگ ایک امت تھے جیسا کہ وثیقہ کی دوسری دفعہ سے واضح ہے۔ میثاق مدینہ نے تمام عرقی، لونی اور قبائلی تعلقات و تعصّبات کوختم کر کے عقیدہ توحید کی بناء پر اسلامی ریاست کے شہریوں کو باہم مربوط کر دیا۔(۱۷۱)

غیر مسلم شہری:

غیرمسلم افراد کے لیے شہریت کی بنیاد اسلامی سلطنت کے ساتھ ''ولاء'' اور ''تبعیت'' کے معاہدہ کے تحت تھی۔ شہریت کی یہ اساس عقیدہ کی اساس کے علاوہ تھی جو اختلاف عقیدہ کے باوجود انہیں اسلامی ریاست کا فرد شمار کرتی تھی۔ اس اساس پر ملنے والی شہریت کے حقوق و فرائض کے تعین کے لیے نبی اکرم ﷺ کا یہ مقولہ فقہی قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

(لهم ما للمسلمين و عليهم ما عليهم)(۱۷۲)

یہ حدیث میثاق کی پچیسویں دفعہ کے ابتدائی فقروں کی ترجمانی کرتی ہے، جس کے تحت یہود اور مسلمانوں کو معاہدہ ولاء کے تحت یکساں حیثیت کی شہریت حاصل تھی۔ شہریت کے ضمن میں میثاق کی یہ دفعہ دو اہم نکات کی نشاندہی کرتی ہے:

(۱) مدنی ریاست ''عقیدہ کی آزادی'' کے اصول پر قائم ہوئی تھی۔

(۲) اس ریاست کا دستور دیگر سماوی ادیان کے ساتھ برداشت، رواداری کے اصولوں پر مبنی تھا۔

عقد ذمہ کی بنیاد پر شہریت:

عقد ذمہ سے بھی غیرمسلموں کو شہریت کے حقوق ملتے ہیں۔ میثاق کی شق نمبر ۱۵میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ دفعہ کے الفاظ ہیں:

> ''اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے ان (مسلمانوں میں) کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے کے سب پر پابندی عائد کر سکتا ہے''۔

ذمہ اور اہل ذمہ سے متعلق احکام میں غلط فہمی کی بنیاد پر اسلام کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی شہریت کے حقوق پانے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جو اسلام سے پہلے موجود

تھا اور اسلام نے اسے عادلانہ اصولوں میں منضبط کر کے برقرار رکھا ہے اور اس معاہدہ کے تحت غیر مسلموں کو مستقل شہریت عطاء کی ہے۔(۱۷۳)

اس کے تحت شہریت حاصل کرنے والا فرد تمام عمرانی، دینی اور انسانی حقوق سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ تاہم عصر حاضر میں مستقل شہریت کے رائج طریق کار کے مطابق صرف حکومت ان معاملات میں مجاز (Compitent Authority) ہوتی ہے، عام افراد کا ذمہ حالتِ جنگ میں بھی معتبر نہیں سمجھ جاتا۔

عقد ذمہ کے تحت اسلامی ریاست کے شہری بننے والے افراد کے حقوق کا تحفظ اور ان کی شہریت کا احترام احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''ألا من ظلم معاهدا او انتقصه او كلّفه فوق طاقته او أخذ منه شيئا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة''(۱۷۴)

''جو شخص کسی ذمی پر ظلم کرے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا یا طاقت سے زائد اسے تکلیف دے گا یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لے گا تو میں (محمد ﷺ) روز قیامت اس (ظالم پر) قصور ثابت کروں گا''۔

''من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة ''(۱۷۵)

''جو معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا''۔

غیر مسلموں کے عدالتی معاملات:

مدینہ کے غیر مسلم ، خصوصاً یہود مدینہ اپنے تمام خصومات میں عدالت نبویؐ سے رجوع نہیں کرتے تھے، ان کے جو نزاعات نبویؐ عدالت میں آتے تھے وہ بالعموم ان کے اور مسلمانوں کے مابین پیش آنے والے واقعات ہوتے تھے۔ الاحوال الشخصیۃ (Personal Law) میں ان کے معاملات تورات کے احکام کے مطابق ان کے ''احبار'' کے ہاں طے پاتے تھے۔(۱۷۶)

مدینہ نے جہاں فریق آخر (یہود) کے پرسنل لا میں عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کر کے عدل و انصاف کا بول بالاکیا تھا۔(۱۷۷) وہاں دستور مدینہ نے انہیں اس بات کا اختیار بھی دیا تھا کہ وہ اپنے معاملات اسلامی عدالت میں لا کر اسلامی نظام عدل سے بھی استفادہ کرسکتے ہیں۔ اس امر کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کے بعض افراد نے اسلامی عدالت کی طرف بھی رجوع کیا بالخصوص دیت کے معاملے میں یہود کے کمزور طبقات کے لیے اس کے سوا کوئی اور چارہ کار ہی نہ تھا کیونکہ ان کے سابقہ

نظام دیت میں بنو نضیر کے مقتولین کو بنو قریظہ کے مقتولین پر برتری حاصل تھی بنو قریظہ کا کوئی شخص اگر بنونضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو اس کی پوری دیت ادا کی جاتی جبکہ بنو نضیر کا کوئی فرد بنو قریظہ کے کسی فرد کو قتل کرتا تو مقتول کی دیت نصف ہوتی تھی۔(۱۷۸)

نبی اکرم ﷺ کو وحی کے حکم کے مطابق اختیار تھا کہ آپ ان کے مابین فیصلہ فرمائیں یا اجتناب فرمائیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿فإن جاؤُ وك فاحكم بينهم اواعرض عنهم و إن تُعرض عنهم فلن يضرّوك شيئاً وإن حكمت فاحكم بينهم بالقسط إن الله يحب المقسطين﴾(۱۷۹)

''اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کرو خواہ ان کو ٹال دو، اگر تم ان سے منہ بھی پھیرو گے تو بھی یہ تم کو ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کے مابین عادلانہ تحکیم فرمائی اور فریقین میں دیت کو یکساں کر دیا۔(۱۸۰)

اسلامی عدالت کے شفاف اور غیر جانبدارانہ فیصلوں کی بناء پر یہود مدینہ نے خصومات کے علاوہ اپنے ایسے شخصی معاملات میں بھی اس مؤثر عدالت کی طرف رجوع کیا جن کا ذکر دستور میں نہیں تھا اور جن میں یہود کی مصلحت پوشیدہ ہوتی تھی۔(۱۸۱)

غیر مسلموں کے وہ مقدمات جن کا تعلق ان کے پرسنل لا سے ہو گا یا وہ امور جو ان کے نزدیک جائز اور اسلام میں ناجائز و حرام ہوں تو ایسے معاملات کو ان کی مرضی کے بغیر اسلامی عدالت میں نہیں لایا جائے گا' تا کہ ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ ہو۔(۱۸۲)

میثاق مدینہ اور انسانی حقوق:

مدینہ کی اسلامی مملکت کے دستور سے لے کر حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ کے تناظر میں انسانی حقوق کے یورپی وثیقہ کو ملاحظہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وثیقہ کی ایجاد سے گیارہ سو سال پہلے (ساتویں صدی عیسوی) میں قرار پانے والا میثاق مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع، انسانی حقوق کے عالمی منشور کے اصول زیادہ جامع، بہتر اور منظم انداز میں پیش کر چکے تھے، بلکہ موجودہ انسانی حقوق کے عالمی منشور کی بعض دفعات پر تو یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ میثاق مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع کے اقتباس ہوں۔

ہوں۔

عالمی منشور حقوق انسان، تاریخ انسانی کی عظیم عالمی جنگوں کے بھیانک نتائج میں پیدا ہونے والی ایک عالمی تمنا کے طور پر سامنے آیا ہے جس کی کوئی عملی تطبیق دنیا پیش نہیں کرسکی۔ جبکہ میثاق مدینہ پہلی اسلامی ریاست کے دستور کے طور پر بایں طور سامنے آیا کہ اس نے ریاست سے انسانی حقوق کے خلاف ان تمام تر جرائم کا قلع قمع کر دیا جو عرب معاشرہ میں سرایت کر چکے تھے جیسے غلامی، طبقاتی تقسیم، کمزور کی حق تلفی، حسب و نسب پر فخر، ظلم، برائی، بدمعاملگی، جنگ پسندی۔

درحقیقت یہی وہ وثیقہ ہے جس نے انسانوں کو ان کے بنیادی حقوق سے روشناس کیا ۔ ذیل میں ہم میثاق مدینہ کی روشنی میں ان حقوق کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

ا۔ آزادی کا حق:

اسلام کی نظر میں انسان کی آزادی اس کے مقدس حقوق میں سے ایک ہے۔ اسلامی شریعت میں معاہدین، جو چاہے امان کے طور پر ہوں، جوار کے طریق پر ہوں یا غیر جانبدار مسالمین ہوں، اسلامی ریاست کے آزاد شہری بن جاتے ہیں۔ شریعت کی عمومی نصوص جو غیر مسلموں کے حق آزادی کے خلاف ظلم و تعدی سے منع کرتی ہیں، کے علاوہ ایسی خاص نصوص ملتی ہیں جو معاہدین کے لیے آزادی کے حق کو ثابت کرتی ہیں۔ حدیث میں ہے ''جو شخص ذمی پر ظلم کرے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا یا طاقت سے زائد اسے تکلیف میں مبتلا کرے گا یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لے گا تو میں قیامت کے روز اس کے حق میں جھگڑا کروں گا''۔(۱۸۳)

میثاق مدینہ نے انسانی شرف و کرامت کے ضامن اس حق کو بنیادی اہمیت دی ہے۔

میثاق مدینہ میں ۳ سے ۱۲ تک کی دفعات اس بنیادی حق کا دفاع کرتی ہیں ان میں سے ہر شق میں یہ الفاظ موجود ہیں:

''کل طائفة تفدی عانیها بالمعروف''

ان الفاظ کا مقتضی یہ تھا کہ قبائل اپنے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کا بندوبست کریں تاکہ ان لوگوں کی خرید و فروخت شروع نہ ہو اور وہ ہمیشہ غلامی کی ذلت کا شکار نہ ہو جائیں۔

۲۔ حق زندگی:

اس بنیادی انسانی حق کی حمایت کے لیے میثاق مدینہ نے جو اقدامات کیے ہیں انہیں میثاق کی دفعات ۱۴، ۱۶، ۲۱، ۲۵، ۴۰ بالواسطہ یا بلاواسطہ ذکر کرتی ہیں۔

میثاق کی دفعہ ۲۱ ظالمانہ قتل کے بدلہ میں قتل کی سزا تجویز کرتی ہے۔ دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اور جرم ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے اور تمام ایمان والے اس کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہو گی''۔

وثیقہ کی یہ شق قرآنی حکم قصاص کی ترجمانی کرتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿وكتبنا عليهم فيها أن النفس بالنفس﴾(۱۸۴)

''اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان ہے''۔

قصاص کے معاملے میں اسلام نے اس جاہلی تصور کا بھی یکسر خاتمہ کر دیا جس میں ایک کے بدلے میں دوسرا یا ایک کے بدلہ میں کئی افراد کو قتل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ میثاق کی دفعہ ۱۶، ۲۱ اور ۴۰ میں بار بار مساوات کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ قصاص میں مساوات کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يآيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص فى القتلىٰ الحرّ بالحرّ والعبد بالعبد والانثىٰ بالانثىٰ﴾(۱۸۵)

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت''۔

اس حکم کے مطابق قتل ناحق کی سزا تو قتل ہے ہی ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس میں عقیدہ، نسل اور جنس کی کوئی تخصیص نہیں چنانچہ فقہاء احناف نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ غیر مسلم (ذمی) کے قصاص میں مسلمان کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ فقہاء احناف کے علاوہ امام زفرؒ ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک بھی اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کر ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔ امام مالک کے نزدیک بھی اگر کوئی مسلمان دھوکے سے ذمی کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔ مفسر جصاص نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی اس کی تائید میں آثار نقل کئے ہیں۔(۱۸۶)

بعض دیگر فقہاء حضرت علیؓ کی روایت ''لا يقتل المسلم بالكافر'' (۱۸۷) ''کافر کے بدلے میں مومن کو قتل نہیں کیا جائے گا'' سے استدلال کرتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

جصاص لکھتے ہیں کہ یہ (مذکورہ حدیث) حدیث نبوی ''زمانہ جاہلیت کا ہر خون اب میرے ان دونوں قدموں تلے رکھ دیا گیا ہے''۔ کی تفسیر میں ہے۔(۱۸۸)

۳۔ حریت فکر و عقیدہ:

میثاق مدینہ کی دفعات ۲۵ تا ۳۵ میں فرد کے لیے حریت عقیدہ کے حق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اس حق کی حمایت دو طرح سے کی گئی ہے:

ا۔ مذہب و عقیدہ اختیار کرنے کی آزادی اور عقیدۂ اسلام قبول کرنے پر عدم اکراہ۔

۲۔ غیر مسلم فرد کے ساتھ مجادلہ بطریق احسن۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں حقوق کے لیے اہل ایمان خود دس برس سے زائد عرصہ تک مکہ مکرمہ میں ترس رہے تھے اور اس کی راہ میں بھاری مصائب اٹھا رہے تھے جونہی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا سب سے پہلے تمام اہل ادیان کو عقیدہ کی حریت کا حق پہنچایا گیا۔ میثاق مدینہ کی ۲۵-۳۵ تک کی دفعات میں تمام قبائل کو اپنے اپنے دینی معتقدات میں حریت کا حق دیا گیا حتی کہ یہود کے لیے بھی جن کے عقائد و عادات اسلامی سلطنت کی اساسیات کے منافی تھیں۔ یہ ضابطہ مقرر کیا گیا کہ ''للیھود دینھم وللمسلمین دینھم''(۱۸۹)

قرآن مجید نے حریت عقیدہ کی مزید وضاحت بایں صورت کی۔

ا۔ ﴿لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی﴾ (۱۹۰) ''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے''۔

ابن العربی اس آیت کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ غیر منسوخ اور محکم آیت قرآنی ہے۔(۱۹۱)

۲۔ ﴿ولوشآء ربك لأمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین﴾(۱۹۲) اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں۔

۳۔ ''وقل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر''(۱۹۳) اور (اے نبی) آپ اعلان کر دیں کہ سرا سر برحق قرآن ہے تمہارے رب کی طرف سے ہے، اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

مذکورہ آیات کی شرح میں تفسیر المنار کے مؤلف لکھتے ہیں کہ آیت ''لا اکراہ فی الدین'' اور اس

طرح کی دیگر آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دین' لوگوں کے لیے ایک اختیاری ہدایت ہے جس کو آیات و بینات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور یہ کہ دین اختیار کرنے میں زبردستی ممنوع ہے۔ دعوت دین میں بنیاد یہ ہے کہ اس کو دلائل سے واضح کرنا ہے تاکہ سیدھی راہ' کج سے اور ہدایت گمراہی سے الگ اور واضح ہو جائے جہاں تک قتال کا معاملہ ہے تو وہ اس دعوت کی حفاظت اور کافروں کی اذیت سے اہل ایمان کو بچانے کے لیے شروع ہوا ہے تاکہ ضعیف اپنے ایمان میں متزلزل نہ ہو اور قوی اپنے دین کے معاملے میں آزمائش کا شکار نہ ہو۔ بالفاظ دیگر دین میں زبردستی کا نہ ہونا دین کے بڑے قواعد میں سے ایک قاعدہ اور اس کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔(۱۹۴)

۴۔ حق مساوات و عدل:

عدل و مساوات انسانی معاشرہ کے بنیادی حقوق میں سے ہیں۔ رسول اللہﷺ کا ارشاد ہے:

﴿یایھاالناس ألا إن ربکم واحد، وإن أباکم واحد، ألا لا فضل لعربی علی أعجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأحمر علی أسود ولا أسود علی أحمر الا بالتقوی﴾(۱۹۵)

''اے لوگوں تمہارا رب ایک ہے تم سب ایک باپ آدم کی اولاد ہو۔ کسی عربی نژاد کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، سرخ کو کالے اور کالے کو سرخ پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ فوقیت کا معیار تقویٰ ہے''۔

میثاق مدینہ میں انسانوں کے حق مساوات کی حمایت کا ایک اہم اقدام یہ کیا گیا کہ بلا تفریق مرد و زن اور آزاد و غلام، سب کی امان کو یکساں ٹھہرایا گیا۔ یہ اقدام وہاں پہلے سے موجود حالت کے یکسر متضاد تھا۔ اس وقت عرب معاشرہ میں بالعموم انسانوں کے تین طبقات تھے:

(۱) آزاد (۲) غلام (۳) موالی

میثاق نے اس طبقاتی نظام کو یکسر ختم کر دیا، میثاق کی دفعہ ۱۵ کے الفاظ ہیں: ''**أن ذمة الله واحدة، یجیر علیھم أناھم**'' اور کسی عام آدمی کی طرف سے دی گئی امان بھی ایک عقد شرعی ہے جسے بمقتضائے حکم قرآنی ﴿**اوفوا بالعقود**﴾(۱۹۶) ''پیمان پورے کرو' پورا کرنا فرض ہے۔ مساوات کے اس تصور کی بنیادیں میثاق کی دفعہ ۲۴، ۲۵ تا ۳۵، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۱ ذ، ۴۳ ذ، ۴۵ ذ، ۴۵ ب اور ۴۷ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

قانونی مساوات پر مبنی ان دفعات کی قرآن حکیم نے یوں تائید کی ہے:

﴿یایھا الذین امنوا کونوا قوّمین لِلہ شھدآء بالقسط ولا یجرمنّکم شنان قوم علی ألا تعدلوا، اعدلوا ھوأقرب للتقویٰ واتقوا اللہ إن اللہ خبیرٌ بما تعملون﴾(۱۹۷)

''اے ایمان والو تم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو، جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے با خبر ہے''۔

عرب معاشرہ میں السّادۃ (شرفاء) کے علاوہ ایک مستقل طبقہ تھا جو ان کی خاص اصطلاح میں سوقہ (بازاری لوگ) کہلاتے تھے۔ عرب دستور کے مطابق ''خون کے وزن کی برابری'' بایں طور ہوتی تھی کہ طبقہ سادۃ کے ایک فرد کا خون سوقہ کے دو، پانچ یا دس افراد کے برابر ہوتا تھا۔(۱۹۸) اسی طرح بنونضیر کا کوئی فرد اگر کسی قرظی کو قتل کر دیتا تو نصف دیت دیتا اور قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر دیتا تو اس کی پوری دیت ادا کرتا تھا۔(۱۹۹)

۵۔ رہائش اور امن و امان کا حق:

''امن و امان اور حرمت مسکن انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہیں بلکہ یہ ایسے ہی ضروری سمجھے جاتے ہیں جیسے پانی اور ہوا انسانی بقا کے لیے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ﴿ان لك الا تجوع فیھا ولا تعری﴾ اور ﴿و انك لا تظمؤا فیھا ولا تضحیٰ﴾ (۲۰۰) کی صورت میں ان بنیادی ضرورتوں کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

میثاق مدینہ کی دفعات ۳۹ اور ۴۷ کے مطابق مدنی ریاست کے تمام افراد کو پوری آزادی کے ساتھ ریاست میں نقل و حرکت اور رہائش کا حق حاصل تھا نیز ملک کے کسی حصہ میں بھی جان و مال اور عزت کے حوالہ سے تمام باشندوں کے لیے امن ہے، چنانچہ شق ۳۹ کے تحت مدینہ کو حرم قرار دیا گیا جس میں کسی شخص سے کسی قسم کا تعرض کرنا روا نہ تھا اور دفعہ ۴۷ کے مطابق:

''...... جو شخص مدینہ سے باہر چلا جائے یا مدینہ میں رہے مامون ہو گا لیکن جو ظلم و گناہ کا مرتکب ہو گا وہ مامون نہیں رہے گا''۔(۲۰۱)

نتائج:

۱۔ اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔ امیر کی اطاعت عوام/رعیت پر واجب ہے۔

۳۔ رعیت پر اس وقت امیر کی اطاعت واجب نہیں جب وہ غیر شرعی امور کا حکم کرے۔

۴۔ تمام مسلمان ایک امت ہیں جس کی اساس زبان، رنگ ونسل کی بجائے صرف اسلام ہے۔

۵۔ غیر مسلم باشندے اسلامی ریاست کے شہری بن سکتے ہیں۔

۶۔ اسلامی ریاست کے شہری خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم حقوق و فرائض میں مساوی ہیں۔

۷۔ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کی جان مال عزت کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۸۔ غیر مسلموں کے ساتھ بہتر سیاسی و سماجی تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں۔

۹۔ ظلم و نا انصافی پر مبنی کوئی معاہدہ کرنا جائز نہیں۔

۱۰۔ کوئی بھی ایسا عمل جو ریاست میں داخلی و خارجی انتشار کا باعث ہو قابل مواخذہ ہے۔

۱۱۔ ریاست کا دفاع مسلم و غیر مسلم رعایا کا اجتماعی فریضہ ہے۔

۱۲۔ ریاست کے دارالحکومت میں امن و امان کے خصوصی قوانین کا نفاذ کیا جا سکتا ہے۔

۱۳۔ بے گناہ اور جنگ سے لاتعلق رہنے والے شہریوں کو جنگی نقصان سے بچانے کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ پر امن علاقہ (No war zoone) کا معاہدہ کیا جا سکتاہے۔

۱۴۔ قانون اور انصاف کی عمل داری میں عوام و خواص مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۵۔ تعاونی بیمہ کا نظام جس میں ربا، غرر، غبن فاحش، اکراہ و ضرر کا عنصر شامل نہ ہو جائز ہے۔

حوالہ جات و حواشی

(۱) سمہودی کے مطابق مدینہ کے یہودی قبائل کی تعداد بیس سے بھی زائد تھی ان میں سے بہت سے ایسے تھے جنھوں نے بعد میں یہودی مذہب اختیار کیا تھا۔ السمہودی، نور الدین علی بن احمد، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، مطبعہ السعادۃ، مصر، ۱۳۷۴ھ، ۱/۱۶۵، الیعقوبی، احمد بن یعقوب، تاریخ الیعقوبی، دار صادر، بیروت، ۱۵۶/۲، آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۲۴۱/۲

(۲) مثلاً اوس و خزرج کی باہمی جنگوں میں بنو قریظہ اوس اور بنو قینقاع خزرج کا ساتھ دیتے تھے۔ ابن ہشام، الملک السیرۃ النبویۃ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ،۱۳۵۵ھ، ۱۸۸/۲

(۳) اہل مدینہ کسی ایک فرد کو حکمران بنانے پر آمادہ ہو چکے تھے ایک جماعت اس سلسلہ میں عبداللہ ابن ابی بن سلول کو بادشاہ بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ مثلاً ملاحظہ ہو۔ البخاری الجامع الصحیح، کتاب الاستیذان، باب التسلیم فی مجلس فی اخلاط من المسلمین والمشرکین، حدیث نمبر (۶۲۵۴، ۳۸۴۶) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۷۱ء، ص: ۳۳۴/۲، ۳۳۸، السمہودی، نور الدین، خلاصۃ الوفاء طبع مکۃ المکرمۃ، ۱۳۱۶ھ، ص: ۸۴، ابن سعد، محمد، کتاب الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت، ۱۴۰۵ھ ۱/۱۴۷، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، سندھ ، ص: ۸۰

(۳۔الف) عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ۸۰۔۸۱، نیز ملاحظہ ہو: گلزار احمد خواجہ کا مضمون ''معاہدات نبویؐ'' اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانشگاہ پنجاب، لاہور، ۱۶۸/۱۹

(۴) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲/۱۴۷۔۱۵۰، ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۵۱۷، ۵۱۸، کتب حدیث اور کتب سیرت کے لیے مکمل حوالہ جات واختلاف الفاظ کے لیے ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، دار الارشاد للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت طبع، ۱۹۶۹ء وثیقہ نمبر۱۔

(۵) ابن منظور، لسان العرب، جملہ ''ربع'' کے تحت۔

(۶) ابو داؤد، سلیمان بن الأشعث السجستانی، السنن، کتاب الخراج، باب کیف کان اخراج الیہود من المدینۃ، حدیث نمبر (۳۰۰۰)

(۶۔الف) محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی سندھ، ص ۸۵

(۷) (i) ''اپنے محلے'' ربعتهم کا ترجمہ ہے جسے ڈاکٹر حمید اللہ نے اختیار کیا ہے عربی میں "ربعة"قوم، جماعت، محلّہ، سردار وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صاحب روض الانف نے ابو عبید کے حوالہ سے اس کے معنی سردار، قوم کے رہنما اور نقیب کے کیے ہیں، لکھتے ہیں: کہ راء کے کسرہ کے ساتھ ہونا چاہیے کیونکہ یہ ولایت کے معنی میں ہے۔ اس طرح اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان سرداروں پر لازم ہے کہ وہ سابقہ دستور کے مطابق خون بہا لیں۔ ملاحظہ ہو، السہیلی، عبدالرحمٰن، الروض الانف، دار الکتب الحدیثیۃ، ۴/۲۹۳

(ii) انصار کا ذکر الگ الگ ان کے قبائل کے حوالے سے کیا گیا جبکہ جملہ مہاجرین کو ایک قبیلہ قرار دیا گیا۔ انتظامی ضرورت اور معاشرتی تحفظ کے نظام کو قائم کرنے کے لیے ایسا کیا گیا، نہ کہ قبائلی عصبیت کی بناء پر۔ قبائلی عصبیت کے متعلق اسلامی اصول یہ ہے کہ''جو شخص عصبیت کی حمایت کرے گا وہ ہم میں سے نہیں''(ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، حدیث نمبر (۵۱۲۱،۵۱۱۹)

(۸) (i) بنو عوف سے مراد بنو عوف بن عمرو ہیں۔ و هم بطنان، بطن من الاوس و بطن من الخزرج من الازد، القلقشندی، احمد بن علی، نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ص:۳۴۲

(ii) ہرجے اور خون بہا (ضمان و دیت) کی ادائیگی کے لیے قدیم نظام کی توثیق کی گئی جس کے مطابق اگر کوئی آدمی رقمی ادائیگی کا مستوجب ہو تو سب رشتہ دار مل کر اس کی مدد کریں گے اور اگر کوئی شخص دشمن کی قید میں آ جائے اور فدیہ ادا کرنا ہو تو اس کے اہل قبیلہ ہی اس ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔ البتہ اس سلسلہ میں معروف کے لفظ کے ساتھ یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ یہ طریقہ عرف میں مقبول بھی ہو اور کسی طرف سے زیادتی بھی نہ کی جائے۔ نہ مطالبہ میں نہ ادائیگی میں۔

(۹) بنی الحارث بن خزرج : قبیلہ خزرج کی ایک شاخ ہے۔ ان میں معروف صحابی براء بن عازب اور بشیر بن عبداللہ ہیں۔ القلقشندی (م ن) ص: ۵۵

(۱۰) بنو ساعدہ : اس سے مراد بنو ساعدہ بن کعب ہیں جو کہ خزرج کا ایک بطن ہے ان میں معروف صحابی سعد بن عبادہ گزرے ہیں جو کہ سید الخزرج تھے۔ القلقشندی، نہایۃ الارب (م ن) ۲۵۸

(۱۱) بنو جُشم خزرج کا ایک خاندان ہے۔ القلقشندی (م ن) ص: ۱۹۸

(۱۲) بنو النجار خزرج کا ایک خاندان ہے القلقشندی (م ن) ص:۷۹

(۱۳) بنی عمرو بن عوف خزرج کا ایک خاندان ہے۔ القلقشندی (م ن) ص: ۳۳۵

(۱۴) بنو النبیت، یعنی بنو النبیت بن مالک بن الاوس۔ القلقشندی (م ن) ص: ۷۹

(۱۵) بنو الاوس : یہ بنو الاوس بن حارثہ بن ثعلبہ ہیں جو کہ مدینہ کا معروف اور کثیر البطون قبیلہ تھا۔ القلقشندی (م ن) ص:۷۹

(۱۶) رسول اللہ ﷺ نے شہر کو محلہ وار مجالس میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر مجلس اپنے محلّہ کے افراد کی مدد کرنے کی پابند

تھی (شق نمبر۳ تا ۱۱) اس شق سے گزشتہ شقوں کی وضاحت کر دی گئی کہ اگر کوئی محلّہ وار مجلس اپنے اہل محلّہ کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے قابل نہ ہو تو دیگر مسلم قبائل اور مجالس ان کے ساتھ مدد کرنے کی پابند ہوں گی۔ (محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص۹۰) یہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مسلمان معاشرے میں کمزور، مقروض، بے مایہ و مفلس افراد کی ہرصورت میں مدد کی جائے گی اگر ان کی مدد کی کوئی اور صورت نہ بنے اور انہیں کوئی رقم یعنی دیت وغیرہ دینی پڑ جائے تو حکومت ان کی مدد کرے گی یعنی بیت المال سے ادائیگی کی جائے گی کیونکہ ان کا کوئی قبیلہ نہیں ہے جو ان کی مدد کر سکے (لسان العرب، نے بھی ''مفرح'' کی شرح کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مادۃ ''فرح'')

(۱۷) (i) اس سے مراد جاہلی دور میں رائج وہ معروف عقد حلیفی ہے جس کے تحت اجنبیوں کو معاہدے کے ذریعہ سے مولا یعنی فرد خاندان بنایا جاتا تھا۔ حلیفی کرنے والے یہ افراد اسی قوم/قبیلہ سے پہچانے جاتے تھے اور ان پر انہیں کے قوانین لاگو ہوتے تھے جس سے وہ معاہدہ برادری کرتے تھے لیکن اصل کی بنسبت ان کے حقوق کچھ کم ہوتے تھے۔ مثلاً یہ کسی کو از خود اپنی پناہ میں نہیں لے سکتے تھے۔(السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام ۲۴۳۔۲۴۶ نیز الاصبہانی، ابو الفرج علی بن الحسین، کتاب الاغانی، ۱۴/۹۹۔ آپ ﷺ نے بھی اس عرب رواج کو باقی رکھا اور صراحت سے بتا دیا کہ اگر کسی قبیلے میں کوئی موالی ہوں یعنی کسی فرد قبیلہ سے قانونی اور معاہداتی بھائی چارہ کر کے اس قبیلے کے رکن بنے ہوں تو ایسے موالی کو اپنے اصل سے اختلاف کا حق نہ ہو گا (محمد حمید اللہ۔ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص۹۰)

(ii) اس کے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے آزاد کردہ شخص کے ساتھ اس (اصل) کے خلاف حلیف کے طور پر تعلق نہیں رکھے گا۔

(۱۸) متقین کو خاص طور پر اس لیے ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ نفاذ شریعت کے معاملے میں وہ عام لوگوں سے زیادہ مستعد ہوتے ہیں اور کامل ایمان والے ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس طرح کمزور ایمان والوں کو گناہ کا ارتکاب کر کے مقررہ حدود کو پار کرنے سے روکا جا سکے(الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، شرح علی المواہب اللدنیۃ طبع بولاق: ۴/۱۶۸)

(۱۹) (i) ''دسیعۃ'' سے دفع ظلم مراد ہے۔ دفعہ ہذا کی رو سے ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت لازمی قرار دی گئی۔ مظلوم اگرچہ کسی بھی فرد کا حقیقی بیٹا ہی کیوں نہ ہو اس کو بچانے کے لیے تگ و دو کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

(ii) اس دفعہ (نیز دفعہ نمبر۱۔۲۲ وغیرہ) کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے سیاست میں عظیم الشان اخلاقی اصول کو شامل فرمایا جس کے مطابق اصل سرچشمہ اقتدار، اللہ کی ذات کو قرار دیا اور پھر قانون کی نظر میں امتیازات کو ختم کر کے سب کو مساوی کر دیا نیز قانون پر عمل داری کو مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیا۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ''وایم اللہ لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا'' بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد (حدیث نمبر ۶۷۸۸) مسلم۔ کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف...... (حدیث نمبر ۱۶۸۸)

(۲۰) اس شق سے شریعت اسلامی میں بظاہر انسانی خون میں عدم مساوات کا شبہ ہوتا ہے جو کہ درحقیقت درست نہیں ہے۔ میثاق مدینہ کی اس دفعہ کا پس منظر یہ ہے کہ قریش مکہ اور مسلمانوں کے مابین خون ریز معرکے جاری تھے یہ لوگ مہاجرین کے بھائی بند تھے۔ قریش سے ہونے والی چھاپہ مار جنگوں میں دونوں طرف ہونے والے جانی نقصان سے خونی رشتوں کی بناء پر بعض دفعہ غیرت و حمیت کے جذبات برانگیختہ ہو جاتے تھے۔

یہی وہ چیز تھی جس کی بناء پر عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ دربارِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ میرے والد کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، مجھے حکم دیجئے کہ میں اس کا سر آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں۔ خدا کی قسم قبیلہ خزرج یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ میں اپنے والد سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کسی کو اس کے قتل کا حکم دیں گے وہ اسے قتل کر دے گا اور پھر میں اپنے والد کے قاتل کو اپنی نظروں کے سامنے چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں گا اور اس طرح کسی مومن کو قتل کر کے آگ کی سزا کا سزا وار ٹھہر جاؤں گا۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، بیروت دار المعرفہ، ۶۵۰/۸، نیز ابن ہشام: ۳۳۷/۳)

یثاق کی یہ شق انہی حالات کے پیشِ نظر لائی گئی تا کہ خونی غیرت وحمیت کی بنا پر اہل ایمان میں تنازعات کھڑے نہ ہوں اور (بقول ڈاکٹر حمید اللہ) مسلمانوں کے لیے یہ اصول رکھا گیا کہ اگر ان کا کوئی غیر مسلم رشتہ دار کسی مسلمان کے ہاتھوں مارا جائے تو قصاص پر اصرار نہ کریں اور کسی مسلمان کے خلاف کسی غیر مسلم کی مدد نہ کریں۔ (محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص۹۰)

(۲۱) اس شق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان کسی کو بھی پناہ دے سکتا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ غالباً اسی سے غلط فہمی کی بنا پر غزوۂ بدر سے قبل دو مسلمان شخصیات نے بعض قریشی افراد سے دوستانہ تعلقات کی بنا پر ان کی جائیداد کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا (دونوں واقعات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، بخاری، کتاب الوکالۃ، باب اذا وکل المسلم حربیاً فی دار الحرب أو فی دار الاسلام، حدیث نمبر (۲۳۹۱) نیز کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یُقتَلُ ببدر، حدیث نمبر (۳۹۵۰) کتاب نمبر ۶۴، باب:۲) مزید ملاحظہ ہو، عہدنبوی کا نظام حکمرانی، ۸۹)

(۲۲) (i) انصار میں سے بعض والدین منت مان کر اپنے بچوں کو یہودی بنا دیتے تھے وہ اس طرح کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنائیں گے۔ اس کے علاوہ دیگر بعض افراد بھی یہودی مذہب اختیار کیے ہوئے تھے۔ ایسے افراد کے متعلق یہ خصوصی دفعہ رکھی گئی کہ اگر وہ ماتحتانہ اتحادِ عمل پر آمادہ ہوں تو انہیں سب مسلمانوں کے برابر حقوق رعیت حاصل ہوں گے۔ (انصار کا اپنے بچوں کو یہودی بنانے کے لیے ملاحظہ ہو (ابو داؤد کتاب الجہاد، باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام: حدیث نمبر: (۲۶۸۲)، نیز عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۹۱) مزید ملاحظہ ہوں، آلوسی، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، دار الکتب العلمیہ، لبنان، ۲۴۱/۲)

(ii) اس دفعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا یہودی اس موقع پر وہاں موجود نہ تھے۔ اس سے اسلام کے اصول سیاست میں اخلاق کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں کسی دھوکے اور پس پشت دشمنی کرنے کا کوئی تصور نہیں۔

(۲۳) یعنی مسلمانوں کا امن نا قابل تقسیم ہو گا ہر مسلمان اس حکمت عملی کا پابند ہے جو مجموعی طور پر تمام مسلمانوں نے اختیار کی ہو دوسرے لفظوں میں انفرادی طور پر امن و جنگ قائم نہیں ہو سکتے (الزرقانی، شرح علی المواھب اللدنیۃ ۱۶۸/۴)

(۲۴) دفعہ نمبر ۱۷ اور ۱۸ کے تحت جنگ وصلح کو انفرادی کے بجائے مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا یعنی یہ نہ ہو سکے گا کہ چند افراد تو صلح کریں اور باقی نہ کریں۔ اسی طرح چند افراد جنگ کریں اور باقی آرام سے رہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ سب برابری کا حصہ لیں گے اور باری باری جنگ میں شرکت کریں گے تا کہ جنگ کا بوجھ کسی ایک طبقے یا قبیلہ پر نہ پڑے (ابن منظور، لسان العرب، بعنوان، ''عقب'' ۔ ابن اثیر، النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر: ۲۶۷/۳، الزرقانی، شرح علی المواھب اللدنیہ، ۱۶۸/۴)

(۲۵) یہاں ''یبیئ'' کا لفظ ہے ڈاکٹر حمید اللہ، نے اس کا معنی ''انتقام لینے'' کے کیے ہیں۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص۱۰۱) امام راغب کے نزدیک اس سے مراد مساوات و برابری ہے۔ اس طرح یہ گزشتہ شق نمبر ۱۷ کی شرح ہو گی کہ تمام مومنین تکالیف و نقصان میں باہم برابر ہیں جو انہیں اللہ کے راستے میں پہنچے۔ جیسا کہ حدیث میں بھی آتا ہے: ﴿المؤمن تتکافؤ دمائهم فی أن یهراق فی سبیل الله﴾.

(۲۶) مشرک: (i) ابو عبید لکھتے ہیں کہ یہاں مشرک سے مراد وہ یہودی ہیں جن سے صلح کی گئی تھی۔ اور مراد یہ ہے کہ یہود سے صلح کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اگرچہ خود تو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کریں لیکن مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کریں یا ان کے جان و مال کو پناہ دیں۔ (ابو عبید،قاسم بن سلام، کتاب الاموال، فقرہ ۵۱۷) تاہم اس سے مراد انصار کے غیر مسلم بت پرست بھی ہو سکتے ہیں جو مناۃ کی پوجا کرتے تھے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۱۴۷، ۱۴۸ کا متن۔

(ii) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول ''بے شبہ اس دفع میں قریش کو پناہ دینے کی ممانعت صرف مشرک رعایا کے لیے کی گئی ہے لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ مسلمان بھی اس کے پابند تھے۔ اور بلا صراحت بدرجہ اولیٰ وہ اس پر عمل کرتے تھے اس بنا پر میرا خیال ہے کہ یہ دفعہ ابتدائی دستور میں نہ تھی بعد میں جنگ بدر کے اختتام پر یہودی قبائل سے معاہدے کے یا کسی قریبی موقع پر اصل دستور میں اضافہ کی گئی۔ (عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ۸۸، ۸۹) دفعہ نمبر ۱۵، ۱۷، ۱۹ کو بالترتیب ملاحظہ کیا جائے تو صورت حال واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے تو اس کی اجازت تھی بعد میں ممانعت ہوئی یعنی سب کے دشمن ایک ہوں تو انفرادی طور پر انہیں امان نہ دے۔

(۲۷) اس دفعہ کے مطابق اگر مقتول کے اولیاء خون بہا لینا منظور کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور قصاص یا دیت لینے کا اختیار مقتول کے اولیاء کو ہے۔ ابو عبید لکھتے ہیں کہ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا'' جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کو دو فیصلوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے وہ چاہے تو قاتل کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس کا خون بہا لے لے'' (ابو داؤد، السنن، کتاب الدیات، باب ولی العمد یأخذ الدیۃ ، حدیث نمبر (۴۵۰۵) ابو عبید، کتاب الاموال: فقرہ نمبر ۲۱۷، نیز ملاحظہ ہو، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر: ۴۲۴/۳)

(۲۸) یہ ''محدثا'' کا ترجمہ ہے ڈاکٹر حمیداللہ نے اس کا ترجمہ ''قاتل'' کیاہے (عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۱۰۲)۔ اس سے مراد قانون شکن ہے یا وہ مجرم جس پر حدود اللہ جاری ہوسکتی ہوں۔

(۲۹) (i) یہ در اصل ''صرف ولا عدل'' کا ترجمہ ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر ''عدل'' کا لفظ فدیہ یا معاوضہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

﴿ولا یؤخذ منها عدل﴾ (البقرۃ: ۴۸) ''اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا''

﴿ولا یقبل منها عدل﴾ (البقرۃ: ۱۲۳) ''اور نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا''۔

﴿وان تعدل کل عدل لا یؤخذ منها﴾ (الانعام:۷۰) اور اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی اس سے نہ لیاجائے''۔ اس شق کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مومن کے لیے جو اس دستاویز کا پابند ہے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مجرم قانون شکن کو پناہ دے۔

(۳۰) تمام مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ باہم اختلاف کی صورت میں صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات سے رجوع کریں۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو اس قطعی اصول سے آشنا کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

(i) ﴿و ما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضللاً مبینا﴾ (الاحزاب ۳۶)''اور (دیکھو) کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے

رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

(ii) ﴿واطیعوا الله والرسول لعلکم ترحمون﴾ (آل عمران:۱۳۲ نیز النساء: ۶۵) ''اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے''۔

(۳۱) (i) یہ پہلی شق ہے جو مسلمانوں اور یہود کے مابین مشترک ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مشترکہ جنگ کی صورت میں ہر فریق اپنے مصارف جنگ خود برداشت کرے گا۔ (مزید ملاحظہ ہو دفعہ نمبر ۳۷(ا)، ۳۸ اور ۴۵(ب) کا حاشیہ)

(ii) مشترکہ جنگی اخراجات کی شرط رکھنے کی وجہ: ابو عبید کی خیال میں یہ شرط اس لیے رکھی گئی کہ یہود پر لازم ہو جائے کہ وہ جنگ کی صورت میں مسلمانوں کی مدد کریں۔ اسی خرچ کرنے کی شرط کے باعث آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے والے یہود کو مال غنیمت میں حصہ دیا کرتے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ ۵۱۷، نیز السہیلی، الروض الانف: ۲/۱۷) اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگی تعاون کا لین دین بوقت ضرورت جائز ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۱۵۵ تا ۱۵۸ کا متن۔

(۳۲) ''امۃ'' سے مراد اتحاد ہے۔ ابو عبید کے مطابق یہاں امت سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ دشمنوں کے خلاف جنگ کی صورت میں شرط کے مطابق اخراجات کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کرتے رہیں گے۔ رہ گیا دین کا معاملہ سو وہ بالکل جدا گانہ ہے اس سے ان کا تعلق نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس کے فوراً بعد ہی آپ ﷺ نے یہ تصریح فرما دی کہ یہود اپنے دین پر کاربند رہیں گے اور مومنین اپنے دین پر (ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر ۵۱۸ نیز عہد نبویؐ کا نظام حکمرانی ص ۸۷، ۹۹) رسول اکرم ﷺ کا اس سیاسی اتحاد سے مقصد مدینہ کی اسلامی ریاست کو دفاعی طور پر مضبوط کرنا اور سماجی تحفظ فراہم کرنا تھا۔

(۳۳) جرائم کی ذمہ داری صرف اس فرد تک محدود رہے گی جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس طرح صرف مجرم کو ہی سزا ملے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿و لا تزر وازرة وزر اخری﴾ (الانعام:۱۶۵) ''کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔ علاوہ ازیں حدیث سے بھی اس اصول کی تائید ہوتی ہے، ابو داؤد، السنن، کتاب الدیات، باب لا یؤخذ الرجل بجریرة أبیه أو أخیه، حدیث نمبر (۴۴۹۵)

(۳۴) بنو ثعلبہ بن عمرو، خزرج کا ایک بطن ہے (القلقشندی، نہایۃ الارب، (م ن) ص:۱۸۱)

(۳۵) بنو جفنہ بن عوف من خزاعہ، یہ بنو ثعلبہ کے حلیف تھے (لسان العرب، ۱/۲۴۳۔ القلقشندی (م ن) ص:۲۰۱)

(۳۶) بنو الشطیبہ، ابن ھشام نے ''یاء'' کے ساتھ جبکہ ابو عبید نے باء کے ساتھ الشطبۃ (بطن من جفنہ) ذکر کیا ہے (السیرۃ النبویۃ: ۲/۱۴۹) ایک اور قبیلہ جس کا نام بنو الشطیۃ ذکر کیا جاتا ہے یہ مدینہ میں رہتا تھا۔ ابو عبید الاموال، فقرہ ۵۱۶)

(۳۷) ''وان البر دون الاثم'' اس کا ظاہری معنی تو یہ ہوں گے کہ ''گناہ کی بجائے نیکی کی جائے'' یا نیکی گناہ کے خلاف حفاظت'' ہے۔ یہاں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ترجمہ کو ترجیح دی گئی ہے۔ (عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص: ۱۰۳)

(۳۸) یہاں ''بطانۃ'' کا لفظ ہے اس سے مراد قریبی دوست یا حلیف بھی ہو سکتے ہیں۔

(۳۹) اس سے مراد ہے کہ یہود کی، مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت آنحضرت ﷺ کی اجازت پر منحصر رکھی گئی۔ بہر حال اس دفعہ کی عبارت مبہم ہے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہود آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر خود

مستقلاً کسی سے جنگ نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول اگر واقعی یہی معنی مراد ہیں تو اس سے آپ ﷺ کے سیاسی اقتدار کی مزید وسعت ظاہر ہوتی ہے نیز اس سے صلح و جنگ کو وفاق کا بلا شرط ایک مرکزی مسئلہ قرار دیے دیا گیا، جس سے جنگ کی کمان آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوگئی جو آنحضرت ﷺ کی زبر دست سیاسی کامیابی تھی (ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۹۴)

(۴۰) "وانہ من فتك فبنفسہ و اھل بیتہ" "فتك" سے مراد ہے کسی کو غفلت میں قتل کرنا (لسان العرب، مادہ ف ت ک)

(۴۱) یہ گزشتہ شق نمبر ۲۴ کی شرح ہے۔ یعنی کسی جنگ کی صورت میں مسلمان اور یہودی اتحاد عمل کریں تو ہر حلیف اپنے مصارف جنگ خود برداشت کرے گا۔ یہ حکم گزشتہ دفعہ نمبر ۲۴ اور آئندہ دفعات نمبر ۳۸ اور ۴۵ ب میں بھی موجود ہے۔ اس تکرار کی وجہ غالباً یہی تھی کہ مالی معاملات میں یہودی بہت بدنام تھے۔ ان کی بدمعاملگی کو ﴿ومنھم من ان تامنہ بدینار لایؤدہ الیك الا ما دمت علیہ قائما﴾ (آل عمران: ۷۵) ''اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے'' وغیرہ آیات قرآنی میں بھی طشت ازبام کیا گیا ہے (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ۹۱، ۹۲)

(۴۲) (i) اس دفعہ کے تحت یہودیوں نے بعض جنگوں میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس بناء پر مال غنیمت میں حصہ بھی دیا(ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ ۵۱۷، الروض الانف للسہیلی:۲/۱۷)

(۴۳) حرم مدنی : اس دفعہ کے تحت آپ ﷺ نے مدینہ کو بھی حرم قرار دے دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (انی حرّمت ما بینَ لا بتی المدینة کما حَرّم ابراھیم علیہ الصلوة السلام مکة) (میں نے مدینہ کے دونوں پتھر یلے کناروں کی درمیانی جگہ کو حرم قرار دیا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔ اس بناء پر حضرت ابوسعید خدریؓ مدینہ میں اگر کسی آدمی کے ہاتھ میں پرندہ دیکھ لیتے تو اس کے ہاتھ سے چھڑا کر اسے آزاد کر دیتے (مسلم الجامع الصحیح، کتاب الحج: باب الترغیب فی سکنہ المدینۃ، حدیث نمبر ۳۳۴۰)۔ مدینہ کی حرمت کے حوالے سے صحیح مسلم کی دوسری روایت یہ ہے۔

(عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ان ابراھیم حرّم مکة و انی حرمت المدینة ما بین لابتیھا لا یقطع عضاھھا ولا یُصادُ صیدھا) (مسلم کتاب الحج حدیث نمبر ۳۳۱۷) علامہ عینی اور نووی لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ مدینہ کے درختوں کے کاٹنے کو اور مدینہ کے جانوروں کے شکار کو حرام قرار دیتے ہیں۔ البتہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔

امام ابو حنیفہؒ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ کے نزدیک مدینہ، مکہ کی طرح حرم نہیں۔ چنانچہ درخت کاٹنے اور شکار کرنے کی ممانعت حرمت کے لیے نہیں بلکہ محض ممانعت ہے تا کہ مدینہ کی زینت باقی رہے۔ امام طحاوی اس کے دلائل میں ابوعمیر کے پرندے کا ذکر کرتے ہیں جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا : (یا ابا عمیر مافعل النعیر) (مسلم، ترمذی نیز مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ ؐ کے گھر میں ایک وحشی جانور تھا۔ جو گھر میں کھیلتا کودتا رہتا تھا نیز حضرت سلمہ بن اکوع بیان کرتے ہیں کہ وہ شکار کرتے تھے اور شکار کر کے نبی ﷺ کے پاس لاتے تھے ایک دن انہیں دیر ہوگئی نبی ﷺ نے اس تاخیر کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ شکار ہم سے بھاگ گیا اور ہم تیت سے لے کر قناۃ تک شکار کا پیچھا کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو میں تمہارے ساتھ جاتا۔(امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ میں شکار کرنا جائز ہے کیونکہ رسول ﷺ اللہ نے خود

مدینہ میں شکار کرنے کی جگہ بتائی ہے) اور یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں داخل ہونے کے لیے احرام نہیں باندھا جاتا۔(نوووی یحییٰ بن شرف، شرح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ، ص۱/۴۴۰، عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر ۱۳۴۸، ۱۰/۲۲۹-۲۳۰)

(ii) سیاسی حوالہ سے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں سے ایک نیم عرب شہر و مضافات کو حرم مقدس منوا لینا آنحضرت ﷺ کا ایک بڑا سیاسی کارنامہ تھا (عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی:۵۸)

(iii) اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ریاست کے دار الحکومت میں امن و امان کے خصوصی قوانین کا نفاذ کیا جا سکتا ہے۔

(iv) کمزور اور بے گناہ نیز جنگ سے لاتعلق رہنے والے شہریوں کی حفاظت کے لیے مسلمان اور غیر مسلم مل کر کسی علاقے کو پر امن (No war zoone) قرار دے سکتے ہیں ایسی صورت میں دونوں کے لیے اس شرط کا احترام کرنا ضروری ہو گا۔

(۴۴) یعنی پناہ گزین کے ساتھ کم درجہ برتاؤ نہیں کیا جائے گا اور انہیں بھی اصل، یعنی پناہ دھندہ کی طرح مکرم سمجھا جائے گا۔

(۴۵) عرب کے جاہلی دور میں بھی یہی دستور چلا آ رہا تھا۔ ملاحظہ ہو گزشتہ شق نمبر ۱۲(ب) کا حاشیہ۔ (حوالہ نمبر۱۷)

(۴۶) گزشتہ دفعہ نمبر ۲۳ کے مطابق تمام مسلمانوں کے لیے تنازعہ کی صورت میں آخری عدالت رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی باشندوں کے باہمی تنازعات کے لیے یہود نے بھی آنحضرت ﷺ کو آخری عدالت مرافعہ کے طور پر تسلیم کر لیا تھا (عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۹۵) البتہ وہ اس بات کے پابند نہیں تھے کہ ہر معاملے میں شریعت اسلامیہ سے رجوع کریں۔ اپنے تمام ذاتی معاملات میں وہ تورات سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ ان کے ربّی ہی ان کے درمیان فیصلے کرتے تھے البتہ اگر وہ چاہتے تو رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے معاملات میں حکم مقرر کر سکتے تھے۔ (المؤطا امام مالک، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرجم، ۲/۲۶۵)۔ آپ ﷺ کو بھی ان کے مابین فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل تھا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فان جآء وك فاحكم بينهم او اعرض عنهم﴾ (المائدہ ۴۲) ”اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے درمیان فیصلہ کرو خواہ ان کو ٹال دو“، تفسیر مظہری، ۳/۱۱۵، الام ۷/۴۴) آپ ﷺ ان کے فیصلے ان ہی کی شریعت کے مطابق فرماتے تھے (مالک، مالک بن انس، المؤطا، طبعۃ، جمیعۃ احیاء التراث الاسلامی: ۱۴۱۹، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرجم ۲/۲۶۵)

(۴۷) اس سے مراد یہ ہے کہ معاہدین جب بھی ایک دوسرے کو اپنے حلیفوں سے صلح کے لیے کہیں گے تو ان کا یہ مطالبہ قبول کیا جائے گا الا یہ کہ وہ حلیف اپنے دین کے معاملہ میں کسی مبارزت میں مشغول ہو۔ اس سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ اگر ایک فریق دوسرے کو کسی ایسی قوم قبیلہ سے صلح کے لیے کہے جو کہ پہلے سے مذہب کی بنیاد پر محارب ہوں تو ان سے صلح کرنی ضروری نہ ہو گی۔

(۴۸) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ میں ”علی کل اناس حصتهم من جانبهم الذی قبلهم“ ہے جس کا معنی ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ کیا ہے کہ ہر گروہ کے حصے میں اسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقۃ نمبر۱۰۔ دفعہ نمبر ۴۵ب، ص ۴۶، نیز عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص۱۰۵)۔ ابو عبید کی روایت میں یہ دفعہ یوں ہے ”و علی کل اناس حصتهم من النفقة“ (بحذف جانبهم الذی قبلهم) یعنی

اخراجات میں تمام لوگ (معاھدین) اپنے اپنے حصہ کے ذمہ دار ہوں گے۔ نفقہ کا ذکر کئی مرتبہ کیا گیا ہے (جس کی تفصیل گزشتہ شق نمبر ۳۷(الف) کے تحت ملاحظہ ہو۔

(۴۹) اس دفعہ سے معاہدے کو مزید وسعت دی گئی اور مسلمانوں اور یہودیوں کے تمام حلیفوں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا اب ہر فریق اس بات کا پابند تھا کہ وہ دوسرے فریقوں کے حلیفوں کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات قائم کرے لیکن گزشتہ دفعہ نمبر ۲۰ ب کے مطابق مسلمانوں نے اس معاملے میں قریش کو مستثنیٰ قرار دیا تھا کیونکہ دونوں پہلے سے ہی مذہب کی بنیاد پر حالت جنگ میں تھے۔

(۵۰) الفهداوی، خالد سليمان، الفقه السياسى للوثائق النبوية، المعاهدات، الاحلاف، الدبلوماسية الإسلامية، ط عمان، دارعمار، ۱۴۱۹ ھ، /۱۹۹۸م ص، ۳۹-۴۰

(۵۱) مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے، ﴿من يطع الرسول فقد اطاع الله﴾ (النساء: ۸۰) تفصیل ملاحظہ ہو، صالح احمد العلى، الدولة فى عهد الرسول : ، مطبعة المجمع العلمى العراقى، ۱۹۸۸ء، ۱/۱۰۱

(۵۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، ۲۰

(۵۲۔الف) السیوطی، الاشباہ و النظائر، قاعدہ نمبر ۵

(۵۳) الجصاص، ابی بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان، ۳/۴۴۱، ۴۴۲

(۵۴) مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/۴۳۷' ترمذی' کتاب الجہاد' باب لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق

(۵۵) جمال الدين، صلاح الدين، نظام الجنسة فى الشريعة الإسلامية، ص: ۱۶۔۱۷

(۵۶) النساء: ۵۸

(۵۷) المائدہ: ۸

(۵۸) النحل: ۹۰

(۵۹) الانعام: ۱۵۲

(۶۰) النساء: ۵۹

(۶۱) ابو داؤد، السنن، کتاب الحدود، باب فی رجم الیہودیین، حدیث نمبر (۴۴۴۶) نیز باب الحکم بین اہل الذمہ، حدیث نمبر (۳۵۹۱)

(۶۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱، شق نمبر ۳۶

(۶۳) ملاحظہ ہو، العانى، اسامه عبدالحميد، رؤية اقتصادية لأول وثيقة سنها رسول الاسلام : ۲۶ نیز صالح العلی، تنظیمات الرسول الاداریۃ فی المدینۃ (ن م) ص: ۶۳

(۶۴) مستدرک حاکم، ۳/۴۴۰، (بیروت دار المرفعۃ)، بیہقی، دلائل النبوۃ بیروت دار الکتب العلمیۃ ۱۹۸۵ء)، ۲/۱۲۰

(۶۵) القصص: ۲۳

(۶۶) یونس، ۴۷

(۶۷) الزخرف : ۲۳

(۶۸) النحل: ۱۲۰

(۶۹) یوسف:۴۵

(۷۰) ہود:۸

(۷۱) السيد رضوان، الأمة والجماعة والسلطة، دراسة فى الفكر العربى المعاصر بيروت، دار اقراء ۱۹۸۶ء) ۴۳۔۴۴

(۷۲) حلیمی، محمود، نظام الحکم الاسلامی الدولة والحکومة: ا/۲۵)

(۷۳) الانبیاء:۹۲

(۷۴) عفیفی، محمد الصادق، الاسلام والمعاهدات الدولیة (القاہرة، مکتبہ الاسلامیہ د۔ت) ۲۰۹

(۷۵) ملاحظہ ہو، الأموال لأبی عبید، صفحہ نمبر :۲۱۹

(۷۶) المائدہ:۲

(۷۷) اٰل عمران:۶۴

(۷۸) النحل:۹۰

(۷۹) اٰل عمران:۱۱۰۔ منکر سے نہ روکنا اور خیر کا ساتھ نہ دینے کی سخت مذمت کی گئی ہے چنانچہ بنی اسرائیل کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ﴾(المائدہ:۷۹) ''وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے''۔

(۸۰) النساء:۱۱۴، نیز حدیث پاک میں اس خیر کی مزید تفصیل ملاحظہ ہو، مسند احمد، ۶/۴۴۴

(۸۱) الحج:۷۷

(۸۲) الممتحنہ:۸

(۸۳) التوبہ:۷

(۸۴) الانفال:۶۱

(۸۵) ابن ھشام ا/۱۴۱

(۸۶) ایضاً، ابن ھشام ا/۱۴۱

(۸۷) جصاص، احکام القرآن ۳/۶۹

(۸۸) میثاق مدینہ دفعہ نمبر ۲۵، عہد نبویؐ کا نظام حکمرانی ۸۷، ۹۹، نیز ابو عبید کے مطابق بھی اس کا مطلب اتحاد ہی ہے ملاحظہ ہو، الاموال، فقرہ نمبر ۵۱۸،تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' کتاب الامة: عدد' ۱۱۰' ۱۴۲۶' میں، احمد قائد الشعیبی کا مضمون' ''وثیقہ المدینہ''

(۸۹) شرح السیر الکبیر، طبع افغانستان، ۱۳۰۵ھ، ۱۴/۱۴۱، الام للشافعی، ۴/۴۷۷، فتح الباری، طبع دارالنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، ص۴/۴۴۲، الشوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الأخیار، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، پاکستان ، ۱۴۰۷ھ، ۷/۲۳۷، الکاسانی، علاء الدین اَبی بکر بن مسعود، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی ۱۴۰۰ھ، ص: ۸/۱۰۸ الشربینی، محمد، مغنی المحتاج الی شرح المنہاج، مطبعة الحلبی: ۴/۳۸۹، کفایۃ المفتی ۹/۳۹۳، ۴۴۵

(۹۰) سابقہ قبیلہ واری نظام کی بقاء دراصل اجتماعی تکفل کے لیے تھی۔ کسی عصبیت کی بناء پر نہیں۔ عصبیت کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ (لیس منا من دعا الی عصبیة)، ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی العصبیة، حدیث نمبر (۵۱۱۹، ۵۱۲۱)

(۹۱) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر۱۰، شق ۳ تا ۱۱

(۹۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن قیم ، زاد المعاد: ۲/۴۵۵

(۹۳) مسند احمد، ۶/۲۷۷، ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۴۵۶

(۹۴) المرغینانی، برہان الدین، ابی الحسن علی بن اَبی بکر، الہدایۃ (اولین)، مکتبہ امدادیہ، ملتان ص:۵۴۶، ۵۴۷، نیز ابن ہمام، کمال الدین فتح القدیر، مکتبہ نوریہ سکھر: ۵/۲۱۹نیز ملاحظہ ہو، ابن قیم زاد المعاد، ۲/۴۵۵، ۴۵۶

(۹۵) ملاحظہ ہو، ہدایۃ اولین ص: ۵۴۶۔۵۴۷، فتح القدیر، ۵/۲۱۹۔۲۲۰
(۹۶) ابن ہشام، ۲/۲۵۵
(۹۷) زاد المعاد: ۲/۴۵۶
(۹۸) زاد المعاد: ۲/۴۵۶، نیز ملاحظہ ہو، الحسن ، محمد علی، العلاقات الاولیۃ فی القرآن والسنۃ، ط۔۲(عمان، منشورات مکتبۃ النہضہ الإسلامیۃ:۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء
(۹۹) الروض الانف ،۴/۲۴۱، النہایۃ، فی غریب الحدیث والاثر: ۳/۴۲۴، نیز لسان العرب، مادہ ''فرح''
(۱۰۰) السہیلی، الروض الانف،۴/۲۴۱، ابو عبید، کتاب الاموال: ۲۰۲
(۱۰۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ص: ۱/۴۸۸
(۱۰۲) عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص: ۹۰
(۱۰۳) جمال الدین عباد، حکومۃ رسولؐ فی المدینۃ: ۴۵
(۱۰۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''العانی، أسامة عبدالمجيد ، رؤية اقتصادية لأول وثيقه، سنّها رسول الاسلام، الاسلام اليوم مجلة دورية تصدرها المنظمة الإسلامية للتربية والعلوم الثقافة أوليسيسكو، العدد (۱۳)، ۱۴۱۰ ھ /۱۹۹۵م، ص:۲۸
(۱۰۵) عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ۸۹
(۱۰۶) نیز ملاحظہ، الجصاص، احکام القرآن : ۲/۲۲۳
(۱۰۷) الانعام: ۱۶۴
(۱۰۸) ابو داؤد، السنن، کتاب الدیات، باب لا یؤخذ الرجل بجریرۃ ابیہ أو اخیہ حدیث نمبر (۴۴۹۵)
(۱۰۹) الجصاص، احکام القرآن (ملخصاً)۲/۲۲۴۔۲۲۵
(۱۱۰) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ا۔ شق نمبر (۱۲۔ب)
(۱۱۱) لسان العرب مادۃ (ولیٰ)
(۱۱۲) النساء:۳۳
(۱۱۳) محمد:۱۱
(۱۱۴) اس کی ایک جھلک بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا (بل الدم الدم، والهدم الهدم أنا منكم و أنتم منّى ، أحارب من حاربتم، و أسالم من سالمتم) (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲/۸۵، السہیلی، الروض الانف:۴/۸۲، ۴/۱۲۱، ۱۲۲، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ،المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ۵/۵۳۰)
(۱۱۵) النساء:۳۳
(۱۱۶) النساء:۳۴
(۱۱۷) الانفال:۷۵
(۱۱۸) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، الجصاص احکام القرآن: ۲/۱۸۵۲۔۱۸۷
(۱۱۹) مسلم، کتاب العتق، باب تحریم تولی العتیق غیر موالیہ، حدیث نمبر ۳۷۹۱
(۱۲۰) مسلم کتاب العتق، باب النہی، عن بیع الولاء وھبۃ، حدیث نمبر ۳۷۸۸
(۱۲۱) مجموعۃ الوثائق، شق نمبر ۱۵
(۱۲۲) التوبہ:۷۱

(۱۲۳) آل عمران:۲۸

(۱۲۴) الجصاص، احکام القرآن، ۲/۲۲۶

(۱۲۵) الجصاص، ن۔م

(۱۲۶) المائدہ:۲۔ باہمی تعاون کو قرآن نے کئی مقامات پر سراہا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ولا يجدون في صدورهم حاجة مما اوتوا و يؤثرون على انفسهم و لو كان بهم خصاصة. و من يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون﴾ (الحشر:۹)

(۱۲۷) البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض ، باب بنی عم أحدهما اخ للام والأخر زوج، حدیث نمبر (۶۷۴۵، نیز ۲۳۹۸)

(۱۲۸) مصنف عبدالرزاق ،۹/۳۹۸، الھیثمی، نور الدین علی، مجمع الزوائد و منبع الفوائد، دار الکتب العربی ، بیروت ، لبنان، ۱۴۰۲ھ، ص: ۶/۳۰۰

(۱۲۹) مصنف عبدالرزاق ۹/۳۱۹، نیز میثاق مدینہ، دفعات ۳ تا ۱۱

(۱۳۰) (i) ھدایہ میں ہے کہ قاتل اگر اہل دیوان میں سے ہو تو اس کی عاقلہ اہل دیوان ہیں ان کے وظیفوں سے تین سال میں دیت کو وضع کر دیا جائے گا۔ الہدایۃ (اخیرین) ۶۴۴، ۶۴۵ نیز ۸۷۴۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، مسودہ قانون و دیت مرتب محمود احمد غازی، ادارہ تحقیقات اسلامی، ص۱۲۸)

(ii) مفتی محمد شفیع او رمفتی ولی حسن کے مطابق تعاونی بیمہ فی نفسہ جائز ہے اور مختلف پیشوں اور حرفوں کے لوگ ایک عاقلہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، مفتی محمد شفیع، بیمہ زندگی، اردو بازار کراچی، ۱۹۷۱، ص:۲۴ تا۵۳

(۱۳۱) الزمخشری، ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر، المستقصیٰ فی امثال العرب، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۷۷ء: ۱/۳۹۲۔ اسلام نے اس تصور کا رخ یوں تبدیل کر دیا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”انصر اخاك ظالمًا او مظلوماً“ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اس کا ہاتھ ظلم سے روک کر“ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم، باب اعن اخاك ظالماً او مظلوماً ، حدیث نمبر (۲۴۴۴)

(۱۳۲) القلقشندی، احمد بن علی، صبح الاعشی فی صناعۃ الانشاء شرح وتعلیق محمد حسین، شمس الدین ،دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ، ص: ۱/۴۶۱

(۱۳۳) البخاری، کتاب الطب، باب لاھامۃ، حدیث نمبر(۵۷۵۷)

(۱۳۴) دیکھئے ، یثاق مدینہ، دفعات، ۱۲، ۱۳

(۱۳۵) دیکھئے یثاق مدینہ، دفعہ ۲۱، جن جملہ دیگر قبائل کے خود یہود کے قبائل میں بھی قتل کے بدلہ قتل اور دیت وغیرہ میں نا انصافی کا معمول تھا حالانکہ تورات کے حکم کے مطابق قصاص و دیت کے معاملہ میں سب برابر ہیں۔ قرآن نے اس نا انصافی کی طرف اشارہ فرمایا کہ ﴿وكتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس......الخ﴾ (المائدہ :۴۵) ”اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان......“

(۱۳۶) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰، شق نمبر۱۳، تفصیل کے لیے دیکھئے الشریف، احمد ابراھیم، دولة الرسول فی المدینة: ۱۰۲

(۱۳۷) ال عمران :۱۹، یونس : ۲۳

(۱۳۸) الشوریٰ: ۲۷

(۱۳۹) القصص: ۷۶، ص: ۲۲، مریم: ۲۰

(۱۴۰) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم، باب اعن اخاك ظالماً او مظلوماً، حدیث نمبر (۲۴۴۴)

(۱۴۱) المائدہ:۳۳،فساد فی الارض یا بغاوت ایک جامع تعبیر ہے جس کا اطلاق قتل و غارت گری ڈکیتی اور دہشت گردی جیسے جرائم پر ہوتا ہے جو ریاست کے امن و سلامت کو ختم کرنے کا باعث ہوں' تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ، الجصاص، احکام القرآن، ۲/۴۰۶، ۴۰۹، القرطبی الجامع الاحکام القرآن، ۳/۲۸۰

(۱۴۲) میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۲۱، نیز ابو داؤد، کتاب القضاء، باب الحکم بین اہل الذمۃ، حدیث نمبر (۳۵۹۱، الجصاص، احکام القرآن، ۱/۱۳۵،۱۴۵

(۱۴۳) بخاری، م ن، (حوالہ نمبر ۱۴۰)

(۱۴۴) ابو داؤد، السنن، کتاب القضاء باب فی الرجل...... یعین علی خصومۃ من غیر أن یعلم أمرھا، حدیث نمبر (۳۵۹۷)

(۱۴۵) ابو داؤد، (ن م) حدیث نمبر (۳۵۹۸)

(۱۴۶) مسلم، کتاب العتق، باب النھی عن بیع الولاء وھبتہ، حدیث نمبر (۳۷۹۴)

(۱۴۷) ابو عبید، کتاب الاموال فقرہ، ۵۱۷

(۱۴۸) ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والفی والامارۃ، باب فی خبر النضیر، (حدیث نمبر، ۳۰۰۴، ۳۰۰۶، ۱۴۴۹)

(۱۴۹) ابو داؤد، ن۔م

(۱۵۰) ملاحظہ ہو، الغضبان، منیر محمد، المنھج الحرکی للسیرۃ النبویۃ، ط.۱ (الذرقاء، مکتبۃ المنار ، ۱۹۸۴ء، ص: ۲۲۳.....۲۲۴

(۱۵۱) ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والفی والامارۃ، باب فی خبر النضیر، (حدیث نمبر، ۳۰۰۴، ۳۰۰۶، ۱۴۴۹)

(۱۵۲) ملاحظہ ہو، لسان العرب، ۱/۵۳۱، مادہ جور

(۱۵۳) المؤمنون:۸۸

(۱۵۴) الواقدی، المغازی، ۱/۲۰۹۔۲۱۰، اُحد کے موقع پر عبد اللہ بن ابی کا نبی اکرم ﷺ سے مکالمہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے،سیرت ابن ہشام میں ہے، ۳/۷

(۱۵۵) ملاحظہ ہو، مسلم، کتاب الجھاد، باب کراھۃ الاستعانۃ فی الغزو الکافر، حدیث نمبر (۱۸۱۷)نیز ملاحظہ ہو، الشوکانی، نیل الاوطار، ۸/۴۳، ۴۵، نیز ابن ہشام، ۴/۶۸

(۱۵۶) شرح السیر، ۳/۱۸۶، الجصاص ، احکام القرآن، ۲/۴۴۷، الکاسانی، بدائع الصنائع، ۳/۱۰۸، ۹/۳۹۶

(۱۵۷) ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ، ۵۱۸

(۱۵۸) ابو عبید (م ن) نیز ملاحظہ ہو، ابن قدامۃ، احمد بن محمد، المغنی، مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ، ریاض، ص: ۸/۴۱۴

(۱۵۹) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" (النساء: ۵۹) حدیث نمبر (۷۱۳۸)

(۱۶۰) جمال الدین، صلاح الدین، نظام الجنسیۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ، دراسۃ مقارنۃ (القاہرہ، ۲۰۰۱ء) ص:۱۶

(۱۶۱) دائرہ معارف برطانیہ: ۳/۳۳۲

(۱۶۲) فرد اور حاکم کے درمیان حقوق و ذمہ داریوں کا تعلق حدیث میں نہایت وضاحت ہے۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے "الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ، فالامام الاعظم الذی علی الناس راع و ھو مسئول عن رعیتہ" البخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر (۷۱۳۸ نیز حدیث نمبر ۷۱۳۷) نیز میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۲۵۔

(۱۶۳) حسین، محمد بکر، النظم السیاسیۃ، الدولۃ وللحکومۃ: ۴۲، (۱۹۸۱ء)

(۱۶۴) میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۲۵
(۱۶۵) عصر حاضر کی بعض اسلامی مملکتیں غیر مسلم تو درکنار، دوسرے ممالک کے ان مسلمان افراد کو بھی شہریت نہیں دیتیں جو ان کے ہاں بستے ہیں وہاں شادی کرتے اور بیسیوں سال گذار دیتے ہیں۔ یہ طرز عمل دستور مدینہ سے اتفاق نہیں کرتا۔
(۱۶۶) ابتداء میں ایمان کے لیے ہجرت شرط تھی اس کا ذکر حدیث رسول "لاهجرة بعد الفتح" میں آیا ہے۔ البخاری، الجامع الصحیح کتاب الجهاد، باب وجوب النفیر ، حدیث نمبر (۲۸۲۵)
(۱۶۷) الانفال: ۷۲
(۱۶۸) دیکھئے میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۱
(۱۶۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابو عبید، کتاب الاموال فقرہ نمبر، ۵۶۰، ولایت کی حدود کے لیے دیکھئے المودودی، ابو الاعلیٰ ،الحکومۃ الاسلامیۃ: ص:۱۲۴
(۱۷۰) ابو عبید، کتاب الاموال فقرہ نمبر ۵۵۹
(۱۷۱) الدرینی، محمد فتحی، خصائص التشریع الاسلامی فی السیاسة والحکم، ط۱، بیروت مؤسسة الرسالة ، ۱۹۸۲ء): ۳۵۱
(۱۷۲) ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد، الصحیح، تحقیق شرنوط الارنوط، ط۔۲ (بیروت مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۳ء) ۱۳/۲۱۵، حدیث نمبر، ۵۸۹۵)
(۱۷۳) ابوزہرہ، محمد ، العلاقات الدولیة فی الاسلام، دارالفکر العربی، ص:۶۱
(۱۷۴) سنن ابی داوٗد، کتاب الخراج والإمارة، باب فی تعشیر أهل الذمه إذا اختلفوا، حدیث نمبر، (۳۰۵۲)
(۱۷۵) صحیح بخاری، کتاب الجزیة والموادعة باب إثم من قتل معاهداً بغیر جرم، حدیث نمبر (۳۱۶۶) نیز حدیث نمبر۶۹۱۴۔
(۱۷۶) العمری، اکرم ضیاء، المجتمع المدنی فی عهد النبوة، خصائصه و تنظیماته الاول، ط۱ (المدینه المنوره ۱۴۰۳ ھ/۱۹۸۳م) ص:۱۲۸
(۱۷۷) دیکھئے دفعہ نمبر ۲۵
(۱۷۸) ابو داوٗد، السنن، کتاب القضاء، باب الحکم بین اهل الذمة، حدیث نمبر (۳۵۹۱) نیز کتاب الحدود، باب فی رجم الیہود یین، حدیث نمبر (۳۵۹۱)
(۱۷۹) المائدہ: ۴۲
(۱۸۰) جصاص، احکام القرآن، ۲/۴۳۵
(۱۸۱) ابو داوٗد، السنن ،کتاب الحدود، باب فی رجم الیہودیین، حدیث نمبر ۴۴۴۶
(۱۸۲) الطرابلسی، علاء الدین، معین الحکام ، ص: ۳۶ نیز ابن فرحون، محمد، تبصرة الحکام فی اصول الاقضیة و مناہج والاحکام مطبعة الحلبی:۱/۸۵
(۱۸۳) سنن ابی داوٗد، کتاب الخراج والامارة، باب فی تعشیر أهل الذمة...... حدیث نمبر (۳۰۵۲)، یحیٰی بن آدم، کتاب الخراج، ۷۵، فقہاء کرام نے بالخصوص اہل ذمہ سے متعلق جو ضوابط مقرر کئے ہیں وہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی آزادی کے حق کے لیے ہیں۔
(۱۸۴) المائدہ: ۴۵
(۱۸۵) البقرۃ: ۱۷۸۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۲ سے بھی اس حکم کی تائید ہوتی ہے۔ جس میں ارشاد باری تعالیٰ

ہے: ﴿من اجل ذلك كتبنا علىٰ بنى اسرائيل انه من قتل نفساً بغير نفس او فساد في الارض فكا نما قتل الناس جميعاً﴾ ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو' قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا''۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ : ﴿و من قتل مظلوماً فقد جعلنا لوليه سلطاناً﴾ (الاسراء: ۳۳) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ جصاص لکھتے ہیں کہ ''اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آیت میں مذکورہ لفظ سلطان سے مراد قصاص ہے اور چونکہ اس میں مسلمان کی کافر سے تخصیص نہیں ہے اس لیے اس کا اطلاق (مومن و کافر) دونوں پر ہوگا''۔ احکام القرآن ۱/۱۴۱

(۱۸۶) الجصاص، احکام القرآن، ۱/۱۴۰۔۱۴۱

(۱۸۷) بخاری کتاب الدیات، باب لا يقتل المسلم بالكافر، حدیث نمبر (۶۹۱۵)

(۱۸۸) مزید تفصیل اور دلائل کے لیے ملاحظہ ہو الجصاص ،احکام القرآن، ۱/۱۴۲

(۱۸۹) میثاق مدینہ، شق نمبر ۲۵

(۱۹۰) البقرۃ:۲۵۶

(۱۹۱) ابن العربی، احکام القرآن، ۲/۲۹۴

(۱۹۲) یونس: ۹۹

(۱۹۳) الکہف:۲۹

(۱۹۴) محمد رشید رضا، تفسیر المنار ، ۱۰/۱۶۱، ۳/۳۳ (ملخصاً)

(۱۹۵) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث نمبر (۲۹۵۰)

(۱۹۶) المائدہ :۱

(۱۹۷) المائدہ :۸

(۱۹۸) ملاحظہ ہو، ابن عاشور، محمد الطاہر، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام (مرجع سابق) ۱۴۹

(۱۹۹) ابو داؤد، السنن، کتاب القضاء، باب الحکم بین اہل الذمۃ، حدیث نمبر (۳۵۹۱)

(۲۰۰) ''یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا اور نہ تو یہاں پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے'' طہٰ: ۱۱۸۔۱۱۹

(۲۰۱) میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۴۷